اللہ جل جلالہ

تلاشِ حق

حق اور باطل راستوں کی پہچان
قرآن وسنت کی روشنی میں



تالیف

حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب دامت برکاتہم

رئیس مرکز الافتاء والارشاد گلستانِ جوہر کراچی

خلیفہ مجاز بیعت

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مرکز الافتاء والارشاد

گلستانِ جوہر ۱۲، کراچی

جدید کتب و مواعظ

شیخ العرب والعجم عارف باللہ

مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ



تلاشِ حق

حق اور باطل راستوں کی پہچان قرآن وسنت کی روشنی میں

تفهیم الفقه جلد اوّل سے لیا گیا ایک باب

- کفر وشرک، بدعات وخرافات، رسوم ورواج میں جکڑی انسانیت
- مختلف گروہوں اور فرقوں میں بٹی ہوئی ملت کے لیے ایسا راہنما اور فکر انگیز خطاب جس پر عمل پیرا ہونے سے بے شمار لوگ صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے بارگاہ محبوبِ حقیقی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

افادات

حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب دامت برکاتہم

رئیس مرکز الافتاء والارشاد، گلستان جوہر، کراچی

خلیفہ مجاز بیعت

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تلمیذ

شیخ الاسلام

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

ناشر

مرکز الافتاء والارشاد

گلستان جوہر، کراچی

ضروری تفصیل

نامِ کتاب: تلاشِ حق

مصنف: مفتی محمد نعیم صاحب
رئیس مرکز الافتاء والارشاد، گلستان جوہر، کراچی

تلمیذ: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

موضوع: ✧ کفر و شرک، بدعات و خرافات، رسوم و رواج میں جکڑی انسانیت
✧ مختلف گروہوں اور فرقوں میں بٹی ہوئی ملت کے لیے ایسا راہنما اور فکر انگیز خطاب جس پر عمل پیرا ہونے سے بے شمار لوگ صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے بارگاہ محبوبِ حقیقی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

اشاعت اوّل: ۵ ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۷ اگست ۲۰۱۹ء
اشاعت دوم: ۱۰ صفر ۱۴۴۲ھ مطابق ستمبر ۲۰۲۰ء

ناشر: مرکز الافتاء والارشاد، گلستان جوہر کراچی

فہرست

تلاشِ حق

(پہلا حصہ)

تلاشِ حق

(دوسرا حصہ)

تلاشِ حق

(تیسرا حصہ)

تلاشِ حق

(چوتھا حصہ)

تقلید کی شرعی حیثیت

(تفہیم الفقہ جلد اوّل سے لیا گیا ایک باب)

تلاشِ حق

حق اور باطل راستوں کی پہچان قرآن وسنت کی روشنی میں

پہلا حصہ

آج کل چونکہ امتِ مسلمہ میں بہت سارے فرقے اور مختلف خیال کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ اس لیے عوام کی بہت بڑی اکثریت ایک طرف اس وجہ سے نہایت پریشان ہے کہ ہر جماعت اور ہر شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ حق پر ہے، اور اس کے دلائل بھی قرآن وسنّت پر مبنی ہیں، تو ہم کس طرف جائیں؟ ان میں سے کس جماعت اور فرقہ کی پیروی کریں؟ اُدھر آپ ﷺ نے بھی پیش گوئی فرمائی ہے کہ: ”بنی اسرائیل میں بہتر (۷۲) فرقے ہوئے اور میری امت میں تہتر (۷۳) فرقے ہوں گے، ان میں سے ایک ہی فرقہ حق پر ہوگا، باقی سارے کے سارے دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! وہ کون سا فرقہ ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ“ جس راستے پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔“ اس راستے پر چلنے والے جنت میں جائیں گے، وہی ”فرقہ ناجیہ“ ہوگا۔ اب کون سی جماعت ”مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ“ کی صحیح مصداق ہے؟ ذہنوں میں اُبھر کر اس پریشان کرنے والے سوال کے جواب کے لیے آج گفتگو کا آغاز کیا ہے، یہیں سے ہمارے اس اہم ترین سبق کا آغاز ہوگا۔

حق پر کون ہے؟

اگر کوئی شخص اس سوال کا جواب حاصل کرنا چاہتا ہے اور انصاف کے ساتھ حق کا راستہ ڈھونڈنا چاہتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُس کو سورۃ فاتحہ میں یہ حق راستہ دکھا دیا ہے، یہ وہ سورت ہے جو قرآن پاک کے لیے افتتاح اور باب (دروازے) کی حیثیت رکھتی ہے، اس سورت کی تلاوت کے ذریعہ روزانہ ہر نماز کی ہر رکعت میں "اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ‏﴿۵﴾" کہہ کر دعا کی جاتی ہے کہ اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا دیجیے، اور آگے سیدھے راستے کی تفسیر بھی قرآن نے بتلائی "صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ﴿۷﴾" (الفاتحہ:۷) ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام فرمایا نہ کہ ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ کا غصہ نازل ہوا اور نہ ان کا جو گمراہ ہو گئے۔

قرآن پاک کی تفسیر کے بارے میں یہ اصول حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ "اِنَّ الْقُرْآنَ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا" یعنی سب سے پہلے قرآن پاک کی تفسیر خود قرآن کرتا ہے، اگر کہیں اجمال ہے تو بسا اوقات اس کی تفصیل خود قرآن پاک میں کسی دوسرے مقام پر ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک ہی میں صراطِ مستقیم کی وضاحت ایک تو مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ (جن پر اللہ جلّ جلالہ نے انعام واحسان فرمایا ہے) کے راستہ سے بتلائی۔

اور دوسرا سورۃ انعام میں فرمایا:

۞ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىۡ مُسۡتَقِيۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ‌ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمۡ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ‌ ؕ (الانعام:۱۵۳)

ترجمہ: یہ ہمارا راستہ صراطِ مستقیم ہے تم اس راستہ کی اتباع کرو، اس کے

علاوہ دیگر راستوں کے پیچھے نہ چلو، ورنہ تم سیدھے راستہ سے بھٹک جاؤ گے، (اور ہدایت کے راستہ یعنی صراطِ مستقیم کو نہیں پاسکو گے)۔

صراطِ مستقیم کی حقیقت۔کتاب اللہ اور رجال اللہ:

صراطِ مستقیم کی حقیقت کیا ہے؟ اس بات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم قرآن پاک کی آیاتِ مبارکہ کی روشنی میں گزشتہ اقوامِ عالم کی تاریخ پر نظر ڈالیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا ذریعہ اور راستہ بتایا ہے جس کو "صراطِ مستقیم" بھی کہا جاتا ہے، یہ راستہ دو عناصر سے مرکب ہے، اور دونوں کے مجموعہ پر چلنے والا "صراطِ مستقیم" پر چلنے والا سمجھا جائے گا۔

(۱) ایک عنصر: رِجَالُ اللہ، (۲) دوسرا عنصر: کتاب اللہ۔

رجال اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ خاص بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت کے لیے چن لیا ہے، ان میں سب سے پہلا نمبر انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کا ہے، اس کے بعد انبیاء کرام کے وارثین، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، علماء کرام، اولیاء عظام یہ سب اس میں داخل ہیں، اور دوسرا عنصر کتاب اللہ ہے، کہ اللہ تعالی نے رجال اللہ کے ساتھ ساتھ اپنی کتاب کا سلسلہ بھی جاری فرمایا، ہم اگر تعبیر بدلنا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ رجال اللہ سے مراد "شخصیتِ مقدسہ" ہیں اور کتاب اللہ سے مراد قانون اور شریعت ہے، تو دورانِ سبق کہیں "شخصیاتِ مقدسہ" کا لفظ استعمال ہوگا کہیں رجال اللہ کا، ان دونوں اصطلاحوں کو لے کر ہم چلیں گے جن میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ہدایت کا پہلا عنصر:

صراطِ مستقیم کو اللہ تعالیٰ نے جن دو عناصر سے مرکب فرمایا ان میں سے "رِجالُ اللہ" کا عنصر ہونا خود قرآن مجید میں مختلف مقامات پر بیان فرمایا۔

پہلی دلیل:

سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۝۱۱۹

(التوبۃ:۱۱۹)

اے ایمان والو! تقوی اختیار کرو اور صادقین کی معیّت اختیار کرو۔ تو یہاں آیتِ مبارکہ میں صادقین کی معیّت سے مراد "رِجالُ اللہ" کی معیت ہے۔

دوسری دلیل:

سورۃ لقمان میں فرمایا ہے: وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ (لقمان: ۱۵) کہ تم ان لوگوں کے راستے کی اتباع کرو جو ہماری طرف رجوع کرنے والے اور انابت اختیار کرنے والے ہیں۔

تیسری دلیل:

تیسرے مقام پر فرمایا: وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ۝۱۴۲

(الاعراف: ۱۴۲)

ترجمہ: تمام معاملات درست رکھنا اور مفسد لوگوں کے پیچھے نہ چلنا۔

چوتھی دلیل:

ایک جگہ پر فرمایا: وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۝۸۹

(یونس: ۸۹)

ان لوگوں کا راستہ اختیار مت کرو جو علم نہیں رکھتے۔ چنانچہ قرآن مجید کی ان آیات میں جن لوگوں کے راستے کی اتباع کا حکم فرمایا گیا ہے انہیں "رجال اللہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور احادیث مبارکہ میں بھی "شخصیاتِ مقدسہ اور رجال اللہ" یعنی اللہ کے خاص بندوں کو ہدایت کا مرکز قرار دیا گیا ہے۔

حدیثِ شریف سے دلیل:

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم- يَقُوْلُ "إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا يَّنْتَزِعُهٗ مِنَ النَّاسِ وَلَكِنْ يَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى إِذَا لَمْ يَتْرُكْ عَالِمًا اِتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا." (صحیح مسلم: ۶۰/۸)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ اس علم کو چھین کر ختم نہیں فرمائیں گے کہ بندوں سے اس علم کو چھین لیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اس علم کو علماء کے اٹھانے کے ساتھ ختم فرمائیں گے، یہاں تک کہ جب کسی عالم کو باقی نہیں چھوڑیں گے تو لوگ جاہل لوگوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے، ان سے مسائل دریافت کریں گے، (ان سے رہنمائی لیں گے)، وہ بغیر علم کے (رہنمائی کریں گے)، فتوے دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

تو حدیث پاک میں بھی رجال اللہ یعنی اللہ کے خاص بندوں کو علماء سے تعبیر فرمایا گیا، ان کو ہدایت کا ایک عنصر اور مرکز قرار دیا گیا ہے۔

گمراہ کن پیشوا:

سنن ابی داؤد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَإِنَّمَا أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِي الْأَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ وَإِذَا وُضِعَ السَّيْفُ فِيْ أُمَّتِي لَمْ يُرْفَعْ عَنْهَا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. (سنن أبي داود: ۱۵۷/۴)

ترجمہ: مجھے اپنی امت کے بارے میں گمراہ کرنے والے مقتداؤں سے خوف ہے، اور جب میری امت میں ایک مرتبہ تلوار اٹھ جائے گی تو وہ قیامت تک ان میں اسی طرح چلتی رہے گی۔

یہاں بھی جن "ائمہ مُضلّین" سے آنحضرت ﷺ نے ڈرایا ان سے مراد دو قسم کے اشخاص ہیں:

(۱) وہ عالم جو غیر مستند ہو، یعنی جس کی کوئی سند نہ ہو۔

(۲) وہ عابد جو عبادت گزار تو ہے علم رکھنے والا نہیں ہے، یعنی جاہل عابد، یہ دو قسم کے افراد ''ائمہ مضلین'' سے مراد ہیں۔

چنانچہ حضرات اسلاف کا یہ مقولہ مشہور ہے: "اِحۡذَرُوۡا عَنِ النَّاسِ صِنۡفَیۡنِ عَالِمٌ قَدۡفَتَنَتۡہُ الۡھَوَاءُوَعَابِدٌ قَدۡاَعۡمَتۡہُ الدُّنۡیَا" لوگوں میں سے دو قسم کے لوگوں سے بہت بچو،، ایک وہ عالم جس کو اس کی خواہشِ نفس نے فتنہ میں مبتلا کر دیا ہو، اور دوسرا وہ عبادت گزار جس کو اس کی دنیا نے اندھا بنا دیا ہو۔

چنانچہ ہدایت کا یہ عنصر یعنی اللہ کے خاص بندے یعنی "رجال اللہ" شروع سے (جب سے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا سلسلہ شروع فرمایا ہے) قیامت تک ہمیشہ موجود رہے گا، اور انہیں کو "منعم علیہ" سے تعبیر فرمایا:

❁ وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا ﴿۶۹﴾ (النساء:۶۹)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور

صالحین، اوران لوگوں کی رفاقت بہت ہی اچھی ہے۔

توجن رجال اللہ پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ ان کی چار اقسام ذکر فرمائیں: (۱) انبیاء، (۲) صدیقین، (۳) شہداء اور (۴) صالحین۔

ہدایت کا دوسرا عنصر:

لیکن رجال اللہ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہ عادتِ مبارکہ ہے کہ کتاب بھی بھیجی کیونکہ ہدایت کی تکمیل کے لیے کتاب اللہ بھی ضروری ہے، کتاب اللہ سے مراد قانون، مسائل اور شریعت ہے، اس کو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہر کتاب کے ساتھ معلّم ضروری ہے اور ہر معلم کے پڑھانے کے لیے کتاب اور نصاب ضروری ہے، تو استاد کو ''رجالُ اللہ'' کہا جائے گا اور اس کے نصاب (Syllabus) کو ''کتاب اللہ'' کہا جائے گا۔

ان دونوں عناصر سے مل کر ہدایت مکمل ہوتی ہے، اگر ان دونوں عناصر کے ساتھ نہیں ملے تو پھر وہ انسان راہِ راست سے ہٹ جائے گا، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ''کتاب اللہ اور رجال اللہ'' یعنی شخصیاتِ مقدسہ اور قانون دونوں کو اختیار کرنے والے کو راہِ اعتدال پر بتلایا، چنانچہ سورۃ حدید میں فرمایا:

﴿ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ ۚ (الحدید: ۲۵)

ترجمہ: ہم نے اپنے رسول بھیجے دلائل کے ساتھ، اور ہم نے ان رسولوں کے ساتھ ساتھ کتاب بھی اتاری، میزان اتارا تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قائم رہیں۔

اللہ نے رسولوں کے ساتھ کتاب کے نازل کرنے کا ذکر بھی فرمایا، چنانچہ ان دونوں کا امتزاج اور ان دونوں سے مرکب ہونا ہدایت کی تکمیل کے لیے ضروری ہے۔ یہ ایک تمہیدی بات تھی جو بیان کی گئی۔

عالمِ انسانیت چار بنیادی فرقوں اور طبقات میں تقسیم:

یہ بنیادی نکتہ سمجھنے کے بعد بڑی اہم بات شروع ہوتی ہے وہ یہ کہ رجال اللہ اور کتاب اللہ جو ہدایت کے دو جز ہیں، اس کے بارے میں دنیا میں چار قسم کے لوگ اور چار قسم کے فرقے عقلی طور پر متحقق ہو سکتے ہیں:

(۱) وہ لوگ جو دونوں کو ہدایت کا عنصر مانیں اور دونوں سے اپنا تعلق برقرار رکھیں، کتاب اللہ سے بھی اور رجال اللہ سے بھی، ایسا نہ ہو کہ صرف رجال اللہ کو لیں، کتاب اللہ کو چھوڑیں یا کتاب اللہ کو پلے باندھ لیں اور رجال اللہ کو چھوڑ دیں۔ بلکہ دونوں کے ساتھ وہ اپنے تعلق کو برقرار رکھنے والے ہوں۔

(۲) وہ لوگ جو کتاب اللہ کا بھی انکار کر دیں اور رجال اللہ سے بھی انقطاع اختیار کر لیں، نہ رجال اللہ کو مانیں اور نہ ہی کتاب اللہ کو مانیں۔

(۳) وہ لوگ جو کتاب اللہ کو تو ہاتھ میں لیں لیکن رجال اللہ سے انقطاع اور احتراز کر لیں۔

(۴) وہ لوگ جو صرف رجال اللہ کو اتباع کے لیے اپنا محور قرار دیں اور انہیں سے عقیدت اور محبت کا تعلق رکھیں، اور کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیں۔

تو یہ چار اقسام کے لوگ وجود میں آتے ہیں، اگر ہم تاریخِ عالم پر شروع سے آخر تک نظر ڈالیں تو یہی چار اقسام کے لوگ ہمیشہ پائے گئے اور آئندہ بھی پائے جائیں گے۔

پہلا طبقہ:

وہ لوگ جن کا کتاب اللہ سے بھی تعلق ہے اور رجال اللہ سے بھی، اس سے مراد اور اس کا مصداق سب سے پہلے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے جنہوں نے کتاب اللہ سے بھی اپنا تعلق برقرار رکھا اور رجال اللہ سے بھی،

انہوں نے شخصیاتِ مقدسہ کو بھی تھاما اور قانون کو بھی، کسی ایک سے انقطاع اختیار نہیں کیا، اپنی عقل، اپنے رواج، اپنی آبائی تقلید یا جاہلانہ تعصب کو اختیار کرتے ہوئے کسی ایک سے بھی احتراز نہیں کیا بلکہ دونوں کو اختیار کیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمایا اور اس انعام کا قرآن حکیم میں یوں ذکر فرمایا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

❁ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ (آل عمران: ۱۶۴)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں پر بڑا انعام کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک صاف بنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے جبکہ اس سے پہلے یہ لوگ یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

اوران مومنین سے مراد جن میں رسول کو مبعوث فرمایا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ چنانچہ رسول کو مبعوث فرمانا، یہ تو رجال اللہ کا ذکر ہے، وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، اس سے مراد کتاب اللہ یعنی قانون کی تعلیم ہے، اوران کو دونوں سے واسطہ اور تعلق ہے، اور قرآن نے ان دونوں چیزوں سے انحراف کو کھلی گمراہی بھی بتلایا ہے، وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُبِيْنٍ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے یعنی جب تک رسول نہیں تھے دوسرے لفظوں میں رجال اللہ نہیں تھے، تب تک کتاب اللہ بھی نہیں تھی اور قانون بھی نہیں تھا، یہ لوگ بھی کھلی گمراہی میں تھے، تو دونوں سے انقطاع کو قرآن نے کھلی گمراہی قرار دیا ہے۔ اور دونوں کو تھام کر یہ حضرات ہدایت یافتہ قرار پائے۔

اگر ہم پچھلی اقوام کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو باقی تینوں قسموں کے لوگ کھلی آنکھوں ہمیں نظر آتے ہیں۔

دوسرا طبقہ:

وہ لوگ جنہوں نے دونوں سے انقطاع کیا، اس کی سب سے پہلی مثال حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم ہے، آپ قرآن پاک کی آیات پر غور کیجئے گا۔ حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم نے رجال اللہ کو بھی ٹھکرایا اور کتاب اللہ کو بھی ٹھکرایا، وہ لوگ اس کا سب سے پہلا مصداق ہیں، چنانچہ شخصیتِ مقدّسہ اور رجال اللہ کا انکار تو یوں کیا کہ کہنے لگے کہ: مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (ھود: ۲۷) ہم آپ کو نہیں سمجھتے مگر اپنی طرح کا ایک انسان۔ تو یہ کہہ کر شخصیتِ مقدسہ کو ٹھکرایا، دوسری جگہ یوں کہنے لگے: وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ (ھود: ۲۷) ہمیں آپ لوگوں کی ہمارے اوپر کوئی فضیلت، کوئی قابلیت نظر نہیں آ رہی، لہٰذا ہم آپ لوگوں کو اپنے سے زیادہ کوئی فضیلت والا، کوئی کامل نہیں سمجھتے، تم ہماری طرح کے انسان ہو، تیسری جگہ یوں کہنے لگے: وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ (ھود: ۲۷) اور ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں صرف وہ لوگ آپ کے پیچھے لگے ہیں جو ہم میں سب سے زیادہ بے حیثیت ہیں اور وہ بھی سطحی طور پر رائے قائم کر کے۔

تو گویا انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی مقدس شخصیت کا انکار کر دیا جو رجال اللہ کا سب سے پہلا مصداق تھے۔

دوسری طرف کتاب اللہ اور قانون کا انکار ان الفاظ میں کیا جو قرآن کریم نے نقل کیے ہیں، چنانچہ قوم نوح کہنے لگی: بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ (ھود: ۲۷) ہم تو تمہارے بارے میں یہ گمان کرتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو یعنی جو باتیں بتا رہے ہو وہ جھوٹ ہے، تو گویا کتاب اللہ کا انکار کر دیا، نیز کتاب اللہ کا انکار اپنے عمل سے بھی کرتے تھے، قرآن نے ذکر فرمایا وہ اپنے کانوں میں انگلیاں

ڈالتے تھے، کانوں میں انگلیاں ڈالنا تاکہ اللہ کی کتاب کو نہ سن سکیں، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کتاب سے اعراض کرتے تھے، قانون نہیں چاہتے تھے اور منہ پر نقاب ڈالتے تھے، یہ ان کی عادت تھی، تو یہ پہلی قوم ہے جس نے رجال اللہ کا بھی انکار کیا اور کتاب اللہ کا بھی انکار کیا۔

اس کے بعد آگے چلتے ہیں تو قرآن کریم نے دوسری مثال قوم عاد کی بیان فرمائی، قوم عاد کے افراد بھی ایسے تھے جنہوں نے ہدایت کے دونوں عنصروں سے احتراز کیا، چنانچہ شخصیت اور رجال اللہ کا انکار تو یوں کہہ کر کیا: إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوٓءٍ (هود: ۵۴) کہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ آپ کو ہمارے بعض معبودوں نے تمہارے کسی جرم میں، کسی برائی میں مبتلا کر دیا ہے، تو اس طرح انہوں نے شخصیت کا انکار کیا، دوسری طرف کتاب اللہ کا انکار یوں کیا اور کہنے لگے: وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ (هود: ۵۳) ہم آپ کی باتوں پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

نیز قرآن کریم نے اس قوم کے بعد اگلی قوم یعنی قومِ ثمود کا ذکر فرمایا، اس کا مزاج بھی یہ تھا کہ اس نے شخصیتِ مقدسہ کا بھی انکار کیا اور کتاب اللہ اور قانون کا بھی انکار کیا، چنانچہ کتاب اللہ کا انکار کرنے کے لیے جو الفاظ استعمال کیے قرآن نے ان کی بات کو نقل کیا: وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَآ إِلَيْهِ مُرِيبٍ (هود: ۶۲) کہ جس بات کی طرف آپ ہمیں دعوت دے رہے ہو ہم اس میں شک وشبہ میں پڑے ہوئے ہیں تو یہ کہہ کر انہوں نے کتاب اللہ کو ٹھکرادیا، اور ذاتِ مقدّسہ و رجال اللہ کا انکار یوں کیا، کہنے لگے: قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا (هود: ۶۲) اے صالح آج سے پہلے آپ سے امیدیں تھیں!! آپ کس راستے پر چل پڑے ہو!!

❁ أَتَنْهَانَآ أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا

تَدۡعُوۡنَآ إِلَيۡهِ مُرِيۡبٍ (هود: ۶۲)

ترجمہ: جن بتوں کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں کیا تم ہمیں ان کی عبادت کرنے سے منع کرتے ہو جس بات کی تم ہمیں دعوت دے رہے ہو اس کے بارے میں تو ہمیں ایسا شک ہے جس نے ہمیں اضطراب میں ڈال رکھا ہے۔

چنانچہ یہ کہہ کر انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی شخصیت مقدسہ کا انکار کیا۔

چوتھی مثال قرآن کریم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی بیان فرمائی، اس قوم کے افراد نے بھی اسی طرح کیا، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: قَالُوۡا مَنۡ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ إِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ (الأنبياء: ۵۹)

ترجمہ: کہنے لگے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے، وہ کوئی بڑا ہی ظالم ہے۔

قَالُوۡٓا أَجِئۡتَنَا بِالۡحَقِّ أَمۡ أَنۡتَ مِنَ اللّٰعِبِيۡنَ (الأنبياء: ۵۵)

کیا تم ہم سے سچ مچ کی بات کر رہے ہو یا دل لگی کر رہے ہو۔

اس طرح انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر، آپ کے وقار اور متانت پر انگلی اٹھائی اور آپ کی شخصیت کا انکار کیا اور آپ کو جھوٹا کہا۔

پانچویں مثال قوم شعیب کی بیان کی گئی ہے، حضرت شعیب علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسی "سلسلۂ رجالُ اللہ" کا ایک فرد بنایا تھا، ان کے پاس ہدایت کے لیے پیغمبر بھی آئے اور ان کی کتاب قانون بھی موجود تھی، چنانچہ انہوں نے رجال اللہ کو تو انکار یوں کیا کہ کہنے لگے: وَإِنَّا لَنَرٰىكَ فِيۡنَا ضَعِيۡفًا (هود: ۹۱) ہم آپ کو بہت کمزور خیال کرتے ہیں، آپ طاقتور نہیں ہیں۔ یوں کہنے لگے: وَمَآ أَنۡتَ عَلَيۡنَا بِعَزِيۡزٍ (هود: ۹۱) ہم پر تمہارا کچھ زور نہیں چلتا۔

اور پھر دھمکی پر اتر آئے اور کہنے لگے: لَنُخۡرِجَنَّكَ يَا شُعَيۡبُ وَالَّذِيۡنَ آمَنُوۡا مَعَكَ مِنۡ قَرۡيَتِنَآ أَوۡ لَتَعُوۡدُنَّ فِيۡ مِلَّتِنَا (الأعراف: ۸۸)

ترجمہ: ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ تمام ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے باہر کریں گے، ورنہ تم سب کو ہمارے دین میں واپس آنا پڑے گا۔

تو ان تمام باتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے شخصیّت مقدّسہ اور رجال اللہ کو ٹھکرایا اور جب قانون کی باری آئی تو یہ کہہ کر ٹھکرادیا کہ: يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ (ھود:۹۱) ہم آپ کی باتیں سمجھتے ہی نہیں، کس قسم کی باتیں کرتے ہو، اس طرح انہوں نے ہدایت کے دوسرے عنصر کا بھی انکار کردیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے بعد باری آتی ہے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں بھی وہ افراد موجود تھے جو ہدایت کے ان دونوں عنصروں سے انقطاع کرنے والے اور بیزاری کا اظہار کرنے والے تھے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو یوں کہا: إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ (الأعراف:۱۰۹) وہ تو جادوگر ہے اور کبھی یوں کہتے (فرعون نے یوں کہا تھا): وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ (القصص: ۳۸) کہ میں تو اس کو جھوٹوں میں سے ہی سمجھتا ہوں۔ یہ کہہ کر انہوں شخصیتِ مقدسہ کا انکار کردیا اور آپ کی کتاب کا انکار یوں کیا: إِنَّ هَٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوهُ فِي الْمَدِينَةِ (الأعراف:۱۲۳) یہ جو کچھ تم بیان کر رہے ہو یہ تو تمہاری چالیں ہیں جو تم شہر میں اختیار کئے ہوئے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے انکار کے جو اسباب ذکر فرمائے ہیں اگر ان پر غور کریں تو واضح ہوجاتا ہے کہ قارون، ہامان، فرعون یہ جاہ پسندی، اقتدار پسندی اور تعلّی کے طالب تھے اور اپنے آپ کو بڑا بنانا چاہتے تھے، استکبار اور تکبر کی بیماری میں مبتلا تھے۔ چنانچہ اس وجہ سے انہوں نے رجال اللہ کو بھی ٹھکرایا اور کتاب اللہ کو بھی ٹھکرایا، اور فرعون، ہامان، قارون کے علاوہ جو عام لوگ تھے ان کے حضرت موسی علیہ السلام کی لائی ہوئی ہدایت سے محروم ہونے کے اسباب یہ تھے کہ ان میں جاہلانہ تعصّب موجود تھا، ان میں شخصیت پرستی کا

مرض تھا، چنانچہ وہ یوں کہنے لگے: وَمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيٓ آبَآئِنَا الْأَوَّلِيْنَ (القصص:۳٦) ان کے انکار کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید میں مبتلاء تھے اور تعصب میں آ گئے تھے، اس لئے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی کتاب کا انکار کر دیا۔

پھر آخر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں آفتابِ رسالت طلوع ہوا اور اسلام کا پیغام دنیا میں پھیلنا شروع ہوا تو اس قسم کے لوگ سامنے آئے جو دونوں عناصر کا انکار کرنے والے تھے، رجال اللہ کا بھی اور کتاب اللہ کا بھی، چنانچہ مشرکین نے اپنے سے پہلے والے کافروں کے طریقہ پر چلتے ہوئے رجال اللہ کا بھی انکار کیا اور کتاب اللہ کا بھی انکار کیا، شخصیتِ مقدسہ کو بھی ٹھکرایا اور قانون الٰہی کو بھی ٹھکرایا۔ شخصیتِ مقدسہ اور رجال اللہ کے بارے میں تو ان کا عمل یہ تھا کہ کبھی آپ کو ''شاعر'' کہا، کبھی ''کاہن'' (نجومی) کہا، کبھی ''ساحر'' (جادوگر) کہا، کبھی ''کذّاب'' (بہت بڑا جھوٹا) کہا، کبھی ''اَشِر'' (شرارت کرنے والا) کہا، کبھی ''مجنون'' (دیوانہ) کہا، یہ ساری باتیں اس بات کو واضح کر رہی ہیں کہ انہوں نے رجال اللہ کو ٹھکرایا اور قانون اور کتاب اللہ کو یہ کہہ کر ٹھکرایا: إِنْ هٰذَآ إِلَّآ أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ (الانعام:۲۵) قرآن کے بارے میں یہ کہنے لگے کہ پہلوں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔ یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ مشرکین کا طبقہ وہ طبقہ تھا جنہوں نے دونوں قسم کے عناصر کو ٹھکرا دیا، چنانچہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ ''رجال اللہ'' سے احتراز اور انقطاع کیا بلکہ الٹا انہیں تکالیف پہنچانے کے درپے ہو گئے، رجالُ اللہ کو ستایا اور تکالیف پہنچائیں، (یاد رہے کہ یہاں رجال اللہ ایک اصطلاح کے طور پر استعمال ہو رہا ہے)، اور ان کی ایذاء رسانیوں کی مثالیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی حیات کی کتابوں میں ہیں کہ انہوں نے رجال اللہ کو کس کس

طرح کی تکلیفیں پہنچائیں اور ستایا، اور کتاب اللہ کے مقابلے کیلئے بھی تیار ہو گئے، انکار کرنے کے ساتھ ساتھ کتاب اللہ سے دور کرنے کی کوشش بھی کی، چنانچہ قرآن کریم نے ذکر کیا ہے کہ جیسے قرآن نازل ہوتا اوراس کی تلاوت ہوتی تو شور وشغب کرتے۔ یہ کس لئے کرتے تھے؟ تاکہ لوگ کتاب اللہ سے دور ہوں، اپنے بچوں کو روکتے تھے کہ کہیں ان کے کان میں قرآن کی بات نہ پڑ جائے اور اثر نہ کر جائے، تو یہ مشرکین اس مزاج کے حامل تھے کہ انھوں نے رجال اللہ کو بھی ٹھکرایا، کتاب اللہ کو بھی ٹھکرایا۔ منافقین بھی ان میں شامل تھے، اگر چہ زبان سے وہ اقرار کرتے تھے، لیکن دل سے وہ بھی دونوں کے منکر تھے، یعنی کتاب اللہ کے بھی اور رجال اللہ کے بھی، اور زبان سے اس کا اقرار کرنا بھی دنیاوی مفاد کو حاصل کرنے کیلئے تھا، یہ بھی اسی طبقہ میں شامل ہیں، اللہ نے ان دونوں کا انجام یوں ذکر فرمایا: وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (التوبة:٦٨)

ترجمہ: اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور تمام کافروں سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہی ان کو راس آئے گی اللہ تعالیٰ نے ان پر پھٹکار ڈال دی ہے اوران کے لیے اٹل عذاب ہے۔

الغرض! کتاب اللہ اور رجال اللہ جو ہدایت کے دو عنصر ہیں، ان سے تعلق رکھنے کے اعتبار سے چار قسم کے لوگ وجود میں آئے: (۱) دونوں (کتاب اللہ اور رجال اللہ) کو تھامنے والے۔ (۲) دونوں (کتاب اللہ اور رجال اللہ) کو چھوڑنے والے۔ (۳) کتاب اللہ کو تھامنے والے اور رجال اللہ کو چھوڑنے والے۔ (۴) صرف رجال اللہ کو کافی سمجھنے والے اور کتاب اللہ کو پس پشت ڈالنے والے۔

تلاشِ حق

حق اور باطل راستوں کی پہچان قرآن وسنت کی روشنی میں

دوسرا حصہ

تیسرا طبقہ:

یہاں تک دو قسم کے طبقات کا ذکر ہو گیا، اب آتے ہیں تیسری قسم کی طرف جنہوں نے ہدایت کے ایک عنصر کو لیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا، ان میں سے سب سے پہلا نمبر قوم "یہود" کا ہے، قوم یہود نے "کتاب اللہ" کو تو تھاما، لیکن رجالُ اللہ سے انقطاع اختیار کیا اور ان سے احتراز کیا، چنانچہ قوم یہود کی تاریخ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو، اس ملّت کو علمی امّت بنایا، پیغمبر بھی آئے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے مقدس کتاب "توراۃ" کی صورت میں عطا فرمائی اور توراۃ میں فقہی اور علمی مسائل بیان فرمائے، اور علم کی خاصیت یہ ہے کہ یہ تعلّی (بلندی) چاہتا ہے، اگر اس کی اصلاح کرنے کیلئے رِجالُ اللہ نہ ہوں تو عموماً یہ علم والا شخص غرور اور تکبر میں مبتلاء ہو جاتا ہے، چنانچہ ہوا یہ کہ جب ان کا علمی غرور اور نخوت بڑھی تو انہوں نے رجالُ اللہ سے انقطاع اختیار کیا اور ان کا یہ نظریہ بن گیا کہ ہمارے لئے بس کتابُ اللہ ہی کافی ہے ہمیں کسی "رجال اللہ" سے نہ کتاب سیکھنے کی ضرورت ہے اور نہ سمجھنے کی

ضرورت، گویا" حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" (ترجمہ: ہمارے لیے صرف کتابُ اللہ کافی ہے۔) ان کا نعرہ بن گیا اور کتاب اللہ میں اتنے منہمک ہوئے کہ رجالُ اللہ کا انہوں نے انکار کیا اور رجالُ اللہ کی اتباع اور پیروی کو ذہنی غلامی سے تعبیر کیا، اقتداء اور پیروی کو انہوں نے "شخصیت پرستی" کا نام دے دیا، حالانکہ جب یہ لوگ رجال اللہ سے کٹے، اور اس کو شخصیت پرستی سمجھنے لگے تو اس سے بدتر چیز "خود پرستی" میں مبتلاء ہو گئے، خود پرستی تو شخصیت پرستی سے کہیں زیادہ بری چیز ہے، اس محرومی کا ثمرہ آپ دیکھئے، قرآن پاک پر نظر ڈالئے، جب یہ قوم خالی کتابُ اللہ سے جڑی اور رجال اللہ سے کٹی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جن جن چیزوں سے محروم کیا، جن جن آفات میں مبتلاء کیا، قران کریم میں اس کی تفصیل ذکر فرمائی گئی ہے۔

قوم یہود کا زوال درجہ بدرجہ:

(۱) سب سے پہلی مصیبت یہ نازل ہوئی کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے سَمْعٌ و طَاعَۃٌ (سن کر عمل کرنے کا جذبہ) والی کیفیت کو چھین لیا، چنانچہ یہ یوں کہنے لگے: "سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا" یعنی ہم نے سن لیا اور ہم نے نافرمانی کی۔

(۲) اور جب اس چیز میں مزید مبتلا ہوئے، علمی غرور اور تکبر اور بڑھتا گیا تو یہ کیفیت ہو گئی کہ جو حکم ان کی خواہش نفس کے خلاف آتا اس کو ٹھکرا دیتے تھے، جو مرضی کے موافق ہوتا اس کو لے لیتے، چنانچہ قرآن میں فرمایا:

❁ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ۝۸۷ (البقرة: ۸۷)

ترجمہ: کہ جب بھی کوئی رسول ایسا حکم لے کر آئے جس کو تمہارے نفس نہیں چاہتے تھے تو تم نے تکبر کیا اور اس کا انکار کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے نفس کے خلاف جو حکم تھا اس کو ٹھکرا دیا، چنانچہ یہ ان پر نازل ہونے والا دوسرا وبال تھا۔

(۳) رجال اللہ اور شخصیّتِ مقدّسہ سے انقطاع کا تیسرا وبال یہ ہوا کہ وہ شخصیتِ مقدسہ جن سے ان میں اعتدال کی کیفیت پیدا ہوتی کٹ گئے، تو ان کی فہم الٹ گئی، وہ صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح سمجھنے لگے، حق کو باطل اور باطل کو حق کہنے لگے، کیونکہ ان کے پاس صرف الفاظ باقی رہ گئے تھے، کتاب اللہ کے نور سے، اس کے معانی اور حقیقت سے محروم کر دیے گئے، اور انسان جب معنی اور حقیقت سے محروم ہو جائے، صرف لفظ باقی رہ جائیں تو پھر حق و باطل کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے، چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰيٰتِىَ الَّذِيۡنَ يَتَكَبَّرُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ ؕ وَاِنۡ يَّرَوۡا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡا بِهَا ۚ وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الرُّشۡدِ لَا يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا ۚ وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الۡغَىِّ يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا ؕ

(الأعراف: ۱۴۶)

ترجمہ: میں اپنی آیات کو ان لوگوں سے پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرنے والے ہوں، اگر یہ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں، اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اسے اپنا راستہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اس کو راستہ بنالیں۔

ان کی فہم اس قدر الٹ گئی کہ ہدایت کے راستے کو اپنانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور جہاں کہیں ان کو ٹیڑھا راستہ نظر آتا اس کو اپنا راستہ بنا لیتے، تو حق کا باطل نظر آنا اور باطل کا حق نظر آنا، یہ فہموں اور عقلوں پر نازل ہونے والا وہ عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے قوم یہود پر تب نازل کیا جب کہ انہوں نے رجال اللہ سے انقطاع کیا اور علمی امت ہونے کی بنا پر وہ غرور اور تکبر میں مبتلا ہو گئے، کیونکہ ان کی علمیت، قابلیت، مطالعہ، تحقیق (Research) اپنی ذات کی اصلاح کے

لیے نہیں تھی، بلکہ دوسروں کے لیے تھی، قرآن نے ایک اور مقام پر فرمایا:
مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ط (الجمعۃ:۵) (ترجمہ) ان کے علماء کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جو اپنی پشت پر کتابیں لادے ہوئے ہے، جس گدھے نے اپنی پشت پر بڑی بڑی ضخیم کتابیں لادی ہوئی ہوں، اس سے اس کی ذات کو تو کوئی فائدہ نہیں ہوتا، وہ تو گدھا ہے دوسروں کے لیے اٹھا کر لے جاتا ہے، تو ان کا مطالعہ، ان کی تحقیق، ان کا نالج، ان کی ریسرچ یہ سب دوسروں کے لیے تھی، اپنی ذات کے لیے نہیں، غرور تکبر اور نخوت میں وہ اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ حق و باطل میں امتیاز کی صلاحیت ختم ہوگئی۔

(۴) اور پھر اس برائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ بالآخر وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے لگے، قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾
(الأعراف:۱۴۶) کہ آیات کی تکذیب کرنے لگے اور ان سے غافل ہوگئے۔

دیکھیے بزعم خود وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم ''کتاب اللہ'' کو تھامے ہوئے ہیں، لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ اسی ''کتاب اللہ'' کو ہی وہ ٹھکرانے لگے، ''کتاب اللہ'' کا نعرہ لگانے والا ہی سب سے پہلے کتاب اللہ کو ٹھکرانے والا بن گیا۔

(۵) اور اس کے بعد یہ مہلک ثمرہ برآمد ہوا کہ وہ اللہ کی کتاب میں تحریف اور تبدیلی کے جرم کا ارتکاب کرنے لگے، چنانچہ اللہ نے ارشاد فرمایا: يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (المائدۃ:۱۳) کہ وہ کتاب اللہ میں تحریف کرنے لگے، پانچ مصیبتیں اب تک ذکر کی گئی ہیں۔

(٦) چھٹی مصیبت قوم یہود پر یہ آئی کہ جب وہ رجال اللہ سے کٹ گئے تو نہ صرف یہ کہ انہوں نے رجال اللہ سے احتراز کیا بلکہ ''رجالُ اللہ'' سے بغض

وعداوت کے نتیجہ میں قتل تک نوبت آ پہنچی انہوں نے ''رجال اللہ'' کو قتل کیا:
فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ (البقرۃ:۸۷) سورۃ بقرہ میں ارشاد فرمایا کہ بعض ''رِجالُ اللہ'' کی تو انہوں نے تکذیب کی اور بعض ''رجال اللہ'' کو انہوں نے قتل کردیا۔

(۷) علمی نخوت اور غرور جو ''کتاب اللہ'' سے جڑ کر اور رجال اللہ سے انقطاع کی وجہ سے ان میں پیدا ہوا تھا اس کی اصلاح نہ ہوئی تو اس کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے نرمی اور رقّت قلبی جو خاص ایمان کی خصوصیات تھیں نکال لیا، وہ نرمی اور رقّت قلبی جس کی وجہ سے آدمی خاکساری ظاہر کرتا ہے، اس کی بجائے ان میں ''قساوتِ قلبی'' پیدا ہوگئی قرآن نے فرمایا:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ط (البقرۃ:۷۴)

ترجمہ: پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے اور ایسے ہوئے جیسے پتھر بلکہ سختی میں کچھ ان سے بھی زیادہ۔

چنانچہ جب دلوں کی یہ حالت ہوگئی اور دل اس حد تک پہنچ گئے کہ اب ان پر ہدایت کی کوئی بات اثر نہیں کرے گی تو ذلت اور گمراہیوں کی کھائیوں میں جا گرے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (البقرۃ:۶۱) اب ان پر ذلت اور مسکنت مسلط کردی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق بن گئے۔

قوم یہود پر یہ سارا وبال اس وجہ سے آیا کہ انہوں نے ''کتاب اللہ'' کو تھاما اور ''رجال اللہ'' سے نہ صرف یہ کہ انقطاع کیا بلکہ ان کے مقابلے پر آ گئے، ان کو تکلیفیں پہنچائیں، ان کو ستایا، ان کو قتل کیا اور ان کی تکفیر کی۔ تین طبقوں کے بارے میں الحمدللہ یہاں تک گفتگو ہو چکی ہے۔

چوتھا طبقہ:

چوتھا طبقہ جنہوں نے ''رجال اللہ'' کو تھاما اور ''کتاب اللہ'' کو چھوڑ دیا، اس کا مصداق نصاریٰ اور عیسائی ہیں، نصاری کو اللہ نے علمی امت کی بجائے عملی امت بنایا، ان کو کتاب بھی عطا فرمائی انجیل کی صورت میں اور حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں ''شخصیت مقدسہ'' بھی عطا فرمائی، دونوں چیزیں ان کے پاس تھیں، اور کتاب میں جو احکام عطا فرمائے تھے ان میں زیادہ تر اصلاحِ باطن، تزکیۂ نفس اور اخلاق کی باتیں تھیں، فقہی جزئیات سے ہٹ کر زیادہ تر اصلاح کی باتیں، تصوف کی باتیں، طریقت کی باتیں تھیں، تو ظاہری تربیت اور علاج کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت میں شخصیّت مقدّسہ عطاء فرمائی، لیکن ہوا یہ کہ آہستہ آہستہ یہ قوم شخصیّت کے حوالے سے اعتدال سے ہٹ گئی اور اس میں یہ لوگ اتنا غلو اختیار کرنے لگے کہ شخصیّت پرستی میں مبتلا ہوگئے، انہوں نے کتاب اللہ کو تو چھوڑ دیا اور شخصیت کو اتنا تھاما کہ اس شخصیّت کے بارے میں تذلّل کے آخری کنارے پر پہنچ گئے، جب آدمی شخصیت کو اتنا تھامے گا، اتنی محبت وعقیدت اس سے قائم ہوگی کہ جس میں تذلّل (عاجزی) کی آخری حدوں کو چھونے لگے تو اس غلوّ میں اعتدال پیدا کرنے کے لیے کتاب اللہ کی ضرورت ہے اور یہ اس کو چھوڑ چکے تھے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ''کتاب اللہ'' سے کٹ کر ''شخصیّت پرست'' ہوکر رہ گئے، ان کا یہ نظریہ ہوگیا کہ کتاب اللہ تو "کتابِ ساکت" (خاموش کتاب) ہے اور رجالُ اللہ "کتاب ناطق" (بولنے والی کتاب) ہے تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ بولنے والی کتاب کی بجائے گونگی بہری کتاب سے رہنمائی حاصل کریں، چنانچہ انہوں نے "شخصیت مقدسہ" کو اتنا تھاما کہ اب ان کی اقتداء کے لئے اس شخصیت کی ہر قسم کی عادات، حرکات وسکنات ہی مقتداء بن گئیں۔ کتاب، قانون اور شریعت کو چھوڑ دیا، شخصیت کے

بعض افعال ذاتی بھی ہوتے ہیں، اس کے بعض افعال معذوری، مجبوری کی وجہ سے بھی ہوتے ہیں۔لیکن شخصیت پرستی کرنے والا جب غلوّ میں مبتلا ہوجاتا ہے تو وہ ان ساری چیزوں کو ان کے مرتبے سے ہٹا کر اس کے ہر عمل وفعل کو مقتداء بنالیتا ہے، چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ آہستہ آہستہ یہ پورا دین نصرانیت رواجی دین بن گیا، اور اس کے اندر طرح طرح کی بدعات شامل ہوگئیں، اصل دین باقی نہ رہا۔تو شخصیّت کی غلوّ کی حد تک اتباع میں جب انہوں نے کتاب اللہ کو چھوڑا تو بدعات اور خرافات پیدا ہوگئیں، اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآن پاک میں بیان فرمایا:

سورۃ حدید میں ہے: وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴿۲۷﴾ (الحدید: ۲۷)

ترجمہ: وہ رہبانیت جو انہوں نے اختیار کی تھی وہ ہم نے ان پر لازم نہیں کی تھی بلکہ انہوں نے اپنے زعم میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کا ایک راستہ بنالیا تھا، لیکن اس کی حدود کی انہوں نے رعایت نہ رکھی، (شخصیت پرستی میں جب انسان مبتلا ہوتا ہے تو حدود کی رعایت اس سے نہیں ہوسکتی) جو صحیح طور پر ایمان لانے والے تھے ان کو ہم نے اجر دیا اور اکثر لوگ فسق میں مبتلا ہوگئے۔

کتاب اللہ سے بیگانگی، دوسرے لفظوں میں شریعت سے دوری اور ”رجال اللہ“ سے حد سے بڑھ کر عقیدت ہوئی تو بدعات سے بڑھ کر اب شرک میں مبتلا ہوئے، پہلے غلوّ پیدا ہوا، اس کے بعد بدعت، قرآن نے رہبانیت کو بدعت کہا، چنانچہ فرمایا: ”اِبْتَدَعُوْهَا“، اب جب بدعت اور خرافات پیدا ہوگئیں، اس سے آگے چل کر شرک کی بنیاد پڑ گئی، چنانچہ انہوں نے جب ”کتابُ اللہ“ کو چھوڑا اور ”رجالُ اللہ“ کو سب کچھ سمجھ لیا، تو انہوں نے یہ سمجھا کہ ”رجالُ اللہ“ جس کا حکم کردیں، وہ ہی امر آخر ہے اور جس سے منع کردیں وہی

درحقیقت حرام ہے، یوں انہوں نے حلال وحرام کا اختیار ''رجال اللہ'' کو دے دیا اور ان کو حاکمِ مطلق سمجھنے لگے، ان کے اشاروں کو اللہ کے فرمان کی طرح حیثیت دینے لگے، ان کی ہر بات کو حکمِ خداوندی سمجھنے لگے جس کے نتیجے میں وہ ''شرک فی الحکم'' میں مبتلا ہو گئے، اور ''شرک فی الحکم'' میں مبتلا ہونے کو قرآن نے یوں ذکر فرمایا:

۞ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ

(التوبة:۳۱)

ترجمہ: (شخصیت پرستی کا نتیجہ یہاں تک پہنچا کہ) انہوں نے اپنے احبار کو (یعنی علماء کو) اور اپنے پیروں کو (رھبان سے مراد پیر ہیں) اللہ کو چھوڑ کر رب بنالیا اور مسیح بن مریم کو بھی یہ مرتبہ دے دیا حالانکہ ان کو تو حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں۔

تو بات دراصل یہ ہوئی کہ انہوں نے شخصیّت مقدسہ ہی کو حلال وحرام کا معیار بنالیا، ان کو اختیار دیا کہ جس چیز کو چاہیں یہ حلال کریں۔ آج بھی بہت سے لوگ ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ جو بات پیر نے کہہ دی بس وہی حق ہے، چاہے کوئی مفتی اور عالم مسئلہ بتلائے، فتوٰی دے اس کی ان غالی مریدوں کے ہاں کوئی حیثیت نہیں ہے بس جو پیر صاحب فرمادے وہ حرف آخر ہے۔ الحمد للہ! ہمارے علماو بزرگ اس سے بچے ہوئے ہیں، آپ بدعتیوں میں دیکھیے! یہی ہو رہا ہے جس کی تفصیل آگے ذکر کی جائے گی۔

غرض جب نصاریٰ ''شرک فی الحکم'' میں مبتلا ہوئے اور غلو بڑھتا گیا اور اللہ کے احکام اور کتاب اللہ کو نظرانداز کرنے لگے تو نتیجہ یہ نکلا کہ وہ شرک فی الذات کا بھی ارتکاب کرنے لگے اور شخصیتِ مقدسہ کو خدائی میں شریک کرنے لگے،

چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ﴾ (المائدۃ: ۷۳)

ترجمہ: وہ کافریوں کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ تین میں سے ایک ہیں (ان میں حضرت مسیح بھی ہیں)۔

اور پھر اس سے بڑھ کر عینِ خدا کہنے لگے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾

(المائدۃ: ۷۲)

ترجمہ: کہنے لگے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ اللہ تو مسیح ابن مریم ہی ہیں۔

جب خالق اور مسیح ان کے نزدیک ایک بن گئے تو پھر انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام میں بھی الوہیت کی جتنی صفات اور خواص تھے سارے تسلیم کر لیے کہ زندہ بھی یہ کرتے ہیں، موت بھی دے سکتے ہیں، مغفرت بھی کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ساری صفات ان میں مان لیں۔

خلاصۂ بیان

خلاصہ بحث یہ نکلا کہ ابھی ہم نے اقوام عالَم پر نظر ڈالی تو ہمیں یہ نظر آیا کہ ایک قوم جو استکبار اور جُمود میں آگے بڑھی تو وہ انبیاء اور شخصیات کے قتل تک جا پہنچی بالآخر اللہ تعالیٰ کے غضب اور غصّہ کا مورد بنی، اور ایک قوم وہ تھی جو کتاب اللہ سے کٹ کر شخصیت سے اتنی جڑی کہ تذلّل، نیازمندی اور عقیدت میں اتنا غلوّ کیا کہ شرک، کفر، بدعات اور انتہا درجہ گمراہی میں مبتلا ہوئے، پہلی قوم ”یہود“ اور دوسری قوم ”نصاریٰ“ ہے۔

تلاشِ حق

حق اور باطل راستوں کی پہچان قرآن وسنت کی روشنی میں

تیسرا حصہ

امتِ اسلامیہ میں مندرجہ بالا فرقوں کا ظہور:

اقوامِ عالم پر نظر ڈالنے کے بعد اب ہم اس امتِ اسلامیہ کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ پہلی تمام گمراہیاں اور سب افراط وتفریط اس امت میں بھی ظاہر ہوا، اور وہ ساری چیزیں یقیناً اس میں ظاہر ہونی تھیں، یعنی تینوں گمراہ طبقے اس امت میں یقیناً ظاہر ہونے تھے اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی پیشین گوئی فرمائی تھی۔ چنانچہ لسان نبوت نے جو اطلاع دی وہ حدیث میں مذکور ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ الشِّبْرَ بِالشِّبْرِ وَالذِّرَاعَ بِالذِّرَاعِ وَالْبَاعَ بِالْبَاعِ حَتّٰى لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ دَخَلَ جُحْرَ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمُوْهُ.

(مسند أحمد: ۱۶/ ۴۸۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا تم ضرور بالضرور اتباع کرو گے پہلی امتوں کے طریقوں کی۔ جس طرح ایک بالشت دوسری بالشت کے برابر، ایک ذراع دوسرے ذراع کے برابر اور ایک باع یعنی دو ہاتھ دو ہاتھوں کے برابر ہیں۔ تم بھی ان کے برابر چلو گے یہاں تک کہ اگر ان میں کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا تم میں بھی ایسے لوگ آئیں گے جو گوہ کے سوراخ میں داخل ہوں گے۔

اور دوسری روایت میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود و نصاری کے ساتھ اس تشبیہ کو اس سے مزید بُری صورت اور بڑی کراہیت کے ساتھ بیان فرمایا: عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أُمَّتِيْ مَا أَتٰى عَلٰى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَّنْ أَتٰى أُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِيْ أُمَّتِيْ مَنْ يَّصْنَعُ ذٰلِكَ. (سنن الترمذی)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت پر بھی ایسے احوال آئیں گے جیسے بنی اسرائیل پر آئے تھے اور اس طرح برابر سرابر آئیں گے جس طرح جوتا جوتے کے برابر ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر اُن میں سے کوئی شخص علانیہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے والا تھا تو میری امت میں بھی ایسا فعل کرنے والا شخص ظاہر ہوگا۔

پہلا فرقہ:

کتاب اللہ سے بھی بیزار اور رجال اللہ سے بھی بیزار:

گزشتہ اقوامِ عالم کی طرح تینوں مزاج کے حامل لوگ اس امت اسلامیہ میں بھی پائے جاتے ہیں، چنانچہ سب سے پہلا طبقہ جس کا نظریہ یہ تھا کہ ”رجال اللہ اور کتاب اللہ میں سے کسی کی ہمیں ضرورت نہیں“، اس طرزِ فکر کے لوگ بھی اس امت میں موجود ہیں، جنہوں نے ”کتاب اللہ“ کو بھی ٹھکرایا اور ”رجال اللہ“ کو

بھی ٹھکرایا، نہ وہ ''کتاب اللہ'' پر مطمئن نہ ''رجال اللہ'' پر مطمئن، نہ ''کتاب اللہ'' کے قائل، نہ ''قانون'' کے قائل، نہ ''شخصیت مقدسہ کے عقیدت مند'' اور ''نیاز مند''، دونوں کے بارے میں وہ غیر مطمئن اور شکوک وشبہات کا اظہار کرنے والے ہیں، یوں تو وہ خود جو بھی کہتے ہیں دبے لفظوں اور حکیمانہ انداز میں کہتے ہیں، اور اپنا نام انہوں نے مسلمان رکھا ہوا ہے، لیکن مزاج وہی پیش کرتے ہیں جو سابقہ امّتوں کا تھا، چنانچہ وہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں کتابُ اللہ اور قانون کو اس طرح ٹھکراتے ہیں کہ" اب پرانے اسلام کی ضرورت نہیں رہی...... اب تعبیرات بدلنے کی ضرورت ہے...... ترمیم کی ضرورت ہے...... اس زمانہ میں پتھر کا قانون کارآمد نہیں...... اب روشنیوں کا جدید دور ہے...... اب جدید تعبیرات کی اور نئے مسائل کی ضرورت ہے...... ہمیں زمانہ کے دوش بدوش چلنا ہے...... ترقی کرنا ہے......

کبھی کہتے ہیں کہ فقہ پر نظر ثانی کی ضرورت ہے...... یہ تو پرانی فقہ ہے...... آج کل نئی فقہ کی ضرورت ہے...... جدید دور سے ہم آہنگ نئے اجتہاد کی ضرورت ہے......

آپ انصاف کے ساتھ غور فرمائیں یہ کس چیز کا انکار ہو رہا ہے؟ قانون کا اور کتاب اللہ کا، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ آج کے اس روشن خیال دور میں پتھر کے دور کی باتیں نہ کرو، چنانچہ ان کی دعوت کا زور اس بات پر ہے کہ قدیم اسلام کو اب ماڈرن اسلام بنایا جائے، اس کو جدید لباس میں پیش کیا جائے۔ یوں انہوں نے کتاب کو ٹھکرایا۔ کبھی شراب، جوا، سود، حجاب اور جہاد وغیرہ مسلّمہ اور واضح قوانین کا کھل کر انکار کرتے ہیں...... کبھی کہتے ہیں پرانے زمانے میں ان احکام کا مدار عادت وعرف پر تھا اب حالات بدل چکے ہیں، لہٰذا ان احکامات میں ترمیم کی ضرورت ہے، صحیح تشریح کی ضرورت ہے۔

اور بعض مسلمان تو ایسے ہیں جو اپنے آپ کو کھل کر" لبرل" کہتے ہیں، بڑی بڑی جماعتیں سیاسی اور معاشی مفادات کے لیے اپنے آپ کو قانونِ اسلام سے علی الاعلان کاٹتی ہیں، وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم تو بائیں بازو کی جماعت ہیں، ہمارا دائیں بازو سے یعنی اسلام اور مسلمانیت سے کوئی رشتہ نہیں، اس طرح صاف کتابُ اللہ، قانون کا انکار کرتے ہیں، اور قانون وشریعت مقدسہ سے انکار کے اسباب یا تو سیاسی، اقتصادی اور معاشی مفادات، ہیں۔ جس کو حدیث شریف میں یوں فرمایا گیا ہے: "حُبُّ الدُّنْيَا وَ كَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ" (یعنی دنیا کی محبت اور موت کو ناپسند سمجھنا) یا کفار سے ان کی مجالست سے جو مرعوبیت کا ذہن بنا اس نے ''کتاب اللہ'' سے ان کا اعتماد ختم کر دیا، چنانچہ اتنا بڑا طبقہ اپنے آپ کو صرف نام کا مسلمان کہتا ہے، ان کے دل ودماغ میں یہ چیز پیوست ہوگئی ہے کہ یہ کتاب اللہ اس دنیا میں نافذ نہیں ہوسکتی ہے، نہ اسلام کا معاشی نظام، نہ عائلی نظام الغرض کوئی چیز بھی نافذ نہیں ہوسکتی، وہ "کتاب اللہ" کو محض ایک کتابِ تلاوت سمجھتے ہیں، یا مکانوں یا دکانوں کے افتتاح کے وقت باعثِ برکت سمجھتے ہیں اس کے علاوہ قرآن مجید میں ان کے باطل گمان کے مطابق کچھ نہیں، گویا انہوں نے دبے لفظوں میں اس کتاب اللہ اور قانونِ الٰہی کو ٹھکرا دیا اور ان کے ایمان کی وہ کیفیت پیدا ہوگئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ: بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْيَا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اعمال کرنے میں جلدی کرو ان فتنوں سے پہلے پہلے جو اندھیری رات کے حصوں کی طرح ہوں گے، آدمی صبح کے وقت مومن ہوگا اور شام کافر ہونے کی حالت میں کرے گا یا شام کے وقت مومن ہوگا اور صبح کافر ہونے کی حالت میں کرے گا، اپنے دین کو دنیا کے تھوڑے سے سامان کے بدلے بیچ دے گا۔

اگر ان لوگوں کے سامنے ''کتاب'' کا ذکر آئے تو یہ رویہ سامنے آتا ہے۔

جبکہ دوسری طرف اگر ان کے سامنے ''رجال اللہ'' کا ذکر آئے انبیاء کرام، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم تو یوں کہتے ہیں ''نَحْنُ رِجَالٌ وَّهُمْ رِجَالٌ'' ہم بھی آدمی وہ بھی آدمی، گویا وہ یوں کہتے ہیں کہ علماء، فقہاء اور اہل اللہ کو کسی قسم کی فوقیت ہم پر نہیں اور کسی قسم کی فوقیت تسلیم کرنے کو تیار نہیں، بلکہ یہاں تک بگڑے کہ وہ ان ''رجال اللہ'' کو اپنی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اور حائل سمجھتے ہیں اور وہ نہ صرف یہ کہ ان سے کٹے ہوئے بلکہ ایسا کینہ و بغض رکھتے ہیں کہ ان کو رکاوٹ سمجھنے لگے، چنانچہ آج کل علماء، مدارس، فقہاء اور اہل اللہ کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھا جاتا ہے اور ''رجال اللہ'' کو پسماندگی کا ذمّہ دار ٹھہراتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، اس وقت جو کچھ ذلت، پسماندگی اور دوسری قوموں سے پستی ہے اس کا ذمہ دار رجال اللہ کو ٹھہراتے ہیں، اور ان کی حالت وہ ہی ہے جو قوم شعیب کی تھی، قوم شعیب کے لوگوں نے کہا تھا:

۞ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ (الأعراف:۸۸)

ترجمہ: ہم ضرور بالضرور آپ کو اے شعیب! اور آپ کے ساتھیوں کو شہر

سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین میں لوٹ جاؤ۔

اگر باریک بینی سے دیکھیں تو یہ لوگ بھی اسی طرح "رجال اللہ" کو ختم کرنا چاہتے ہیں، دینی مدارس کو، مساجد کو، دینی مراکز کو، ان مقامات کو جہاں اللہ کے خاص بندے پیدا ہوتے ہیں، ختم کرنا چاہتے ہیں، یا اپنے شہروں سے نکالنا چاہتے ہیں، تو کتاب وسنت کے اس مجموعے کے بارے میں بظاہر بڑے ادب سے پیش آتے ہیں کیونکہ کھل کر تو کافر نہیں ہیں، ظاہر میں مسلمانوں کا لیبل ہے، مسلمانوں کے رجسٹر میں نام لکھا ہوا ہے، اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر حدیث شریف کے الفاظ "لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُهٗ" (یعنی اسلام صرف نام کا ہی باقی ہوگا) کا مصداق ہیں، وہ اس کتاب وسنت کے قانون کو اس روشن خیال دور کے لیے کافی نہیں سمجھتے، نہ "کتاب اللہ" کو قابلِ عمل سمجھتے ہیں اور نہ سنتِ رسول اللہ ﷺ کو قابلِ عمل سمجھتے ہیں۔ کبھی یوں کہتے ہیں کہ لوگ چاند پر چلے گئے اور مولوی اب بھی وہی پرانی دقیانوسی باتیں کر رہا ہے اور یوں طعنے دیتے ہیں کہ ان کو اب وقت کے تقاضوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے، جی ہاں! دبے لفظوں میں کتاب اللہ اور قانونِ الٰہی میں تحریف کی دعوت دے رہے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ نہ تو وہ کتاب اللہ پر مطمئن نہ رجال اللہ پر مطمئن، نہ قانون پر مطمئن، نہ شخصیتِ مقدسہ پر مطمئن، اسی لیے کتاب وسنت کو تھامنے والوں کو جو ایک ہاتھ میں کتاب اللہ کو تھامے ہوئے ہیں اور دوسرے ہاتھ میں رجال اللہ کو لیے ہوئے ان کو دقیانوس، بنیاد پرست، قدامت پسند، شدت پسند، انتہاء پسند (Extremist) اور اس قسم کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں یہ تو وہ طبقہ تھا جو دونوں (کتاب اللہ و رجال اللہ) کا انکار کرتا ہے۔

دوسرا طبقہ: رجال اللہ سے بیزار

اس امّت مسلمہ میں ایک طبقہ ایسا بھی پیدا ہوا جو بالکل یہودی نظریات اورطرزِفکر کا حامل ہے آپ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ تم یہود ونصاریٰ کےنقش قدم پر چلو گے۔ لازم تھا کہ ایک طبقہ ایسا بھی ہو جس کی سوچ، جس کا طرزِفکراس طرح کا ہو جیسا کہ یہود کا تھا، چنانچہ وہ طبقہ بظاہر ایسا پیدا ہوا جنہوں نے بزعمِ خود اپنے خیال میں کتاب اللہ کو تھاما اور علمیّت کا انداز اختیار کیا، اپنے زعم میں دلیل سے گفتگو کی، رجال اللہ کو تکالیف اور آزار پہنچانے لگے، ان میں سے سب سے پہلے جو لوگ ظاہر ہوئے وہ "خوارج" تھے، یہ یہود کے نقشِ قدم پر تھے، انہوں نے بڑا دلکش نعرہ لگایا: "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ" (یعنی بادشاہت اورحکومت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے) اور یہ نعرہ لگا کر انہوں نے سب ''رجال اللہ'' سے ترک اور گریز کیا، بلکہ اپنی عقلِ سقیم (یعنی بیمار عقل) اور فہمِ باطل سے جو کتاب اللہ کو سمجھا اسی کو حق سمجھنے لگے، اوراس زمانہ میں جو''رجال اللہ'' موجود تھے ان سے کتاب وسنت سیکھنے کی بجائے ان کی تکفیر کرنے لگے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دے دیا جنہیں رسول اللہ ﷺ نے "علم کا دروازہ" فرمایا، اوران کو "اَقْضٰهُمْ عَلِیٌّ" (یعنی فیصلہ کی سب سے زیادہ صلاحیت علی رضی اللہ عنہ میں ہے) فرمایا، امام الہدیٰ کی یہ لوگ تکفیر اور تحقیر کرتے رہے، اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اذیتیں بھی دیں اور ان کو تکالیف بھی پہنچائیں، ان کے مقابلے میں بھی آئے، ان کی تکفیر بھی کی، تو یہ علمی فتنہ ''خوارج'' کی شکل میں پھیلا، یہ یہودی نظریات کا حامل پہلا فرقہ تھا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا، کہ جب عقل پرستی عام ہوگئی اور "کتاب اللہ" کے الفاظ کو دیکھ کر وہ اسی کو حق سمجھنے لگے، ان معانی اور حقیقت کے بغیر جو انہیں معلم اور استاد

سمجھا تا، کیونکہ وہ شخصیّت مقدّسہ سے تو دور ہو گئے تھے، انہوں نے لفظوں سے جو سمجھا اسی کو حق سمجھنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سب سے پہلے ان کے عقائد ونظریات غلط ہو گئے اور اس بیج سے جو آگے پودے اور جڑی بوٹیاں پیدا ہوئی وہ خاردار تھیں اور اس میں بہت سارے فتنے پیدا ہوئے اور ان فتنہ پردازوں نے وحی الٰہی کو اپنی عقل کے تابع کر دیا، انہوں نے عقائد کے لیے بھی ''نقل صحیح'' سے مدد لینے کی ضرورت نہیں سمجھی، بلکہ ''عقل سقیم'' کو ہی معیار بنایا، اور متشابہات میں عقلی گھوڑے دوڑانے لگے کیونکہ انہوں نے سب کچھ اپنی عقل کو سمجھ لیا تھا، نہ وہ خود عقل سلیم رکھتے تھے اور نہ انہوں نے کسی صاحبِ عقلِ سلیم سے پوچھنے کی زحمت گوارا کی اور نہ ہی ''فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ '' (النحل:۴۳۔ الانبیاء ۷) (ترجمہ: اگر تمہیں کسی بات کا علم نہیں ہے تو جو علم والے ہیں ان سے پوچھ لو) کا مصداق بنے، تو نتیجہ یہ نکلا کہ آگے بہت سارے فرقے ابھرے جو انہی کے مزاج کے اندر رنگے ہوئے تھے، ان میں ایک فرقہ ''قَدَرِیہ'' رونما ہوا، انہوں نے اللہ کی تخلیق کو، اللہ کی قدرت کو، مخلوق میں بانٹ دیا۔ کہنے لگے کہ یہ مخلوق اور یہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں۔

ایک ''فرقہ جَبرِیہ'' ظاہر ہوا جنہوں نے بندوں کو اینٹ اور پتھر کی طرح مجبور سمجھا، جیسے اینٹ اور پتھر مجبور ہیں کچھ نہیں کر سکتے ہیں بندے بھی کچھ نہیں کر سکتے گویا اللہ نے جو ان کو اختیار دیا جس پر نقلی دلیل کے ساتھ ساتھ، عقلی دلیل بلکہ حسّی مشاہدات بھی اس پر دلالت کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے نقل، عقل، اور حس کا سب کا انکار کر دیا اور کہا کہ انسان صرف مجبور محض ہے۔

اور اسی بیج سے ایک فرقہ ظاہر ہوا جس کا نام ''مُجَسِّمہ'' ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے مشابہ قرار دیا جب خدا تعالیٰ کو مخلوق کے مشابہ قرار دیا تو مخلوق والی ساری صفات بھی اس میں مان لیں، اور اللہ کے جسم کے قائل ہو گئے۔ معاذ اللہ!

ایک اور فرقہ ''معطِّلہ'' کے نام سے ظاہر ہوا جس نے صفاتِ خدا کا سرے سے ہی انکار کردیا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو صفاتِ کمال سے خالی سمجھا، کہ اللہ تعالیٰ کسی صفات سے متصف نہیں ہے (نعوذ باللہ) اور بزعم خود اسی کو توحید سمجھنے لگے کہ یہی توحید ہے یعنی ذات کو صفات سے الگ کرنے کو توحید سمجھنے لگے، یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ انہوں نے ''کتاب اللہ'' کو ہاتھ میں تھاما اور ''کتاب اللہ'' کو سمجھنے کے لیے ''عقل'' کو معیار بنایا اور ''رجال اللہ'' اور معلم واستاذ کی صحبت کو ترک کیا۔

ایک فرقہ ''لَا اَدْرِیَہ'' کے نام سے ظاہر ہوا وہ کہنے لگے کہ پوری کائنات کا کوئی حسی وجود نہیں یہ محض ایک خیال اور وہم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک جب حق پہچاننے کا معیار ''عقل'' ہے تو جتنی عقلیں تھیں اتنے فرقے وجود میں آتے گئے، اتنی جماعتیں بنتی گئی اور یہ ساری عقلیں چونکہ بیمار تھیں، لہٰذا اس کے نتیجے میں غلط عقائد ونظریات کی بھر مار ہوگئی، اگر یہ ''کتاب اللہ'' کو ''رجال اللہ'' سے سمجھتے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ یہ کتاب اللہ کے معانی اور اس کی حقیقت تک پہنچ جاتے لیکن انہوں نے اپنی بیمار عقل کے ذریعے کتاب اللہ کو سمجھنے کی کوشش کی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہود کے نظریات کے حامل ان فرقوں نے قرآن پاک میں تحریف کا آغاز کردیا، جس طرح یہود یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ (المائدۃ:۱۳) (ترجمہ: وہ باتوں کو اپنے موقع محل سے ہٹادیتے ہیں) کرتے تھے، اسی طرح یہ طبقہ قرآن پاک کے لفظوں میں تو اگرچہ تبدیلی نہیں کرسکا کیونکہ اللہ نے اس کو محفوظ بنایا لیکن بس چلنے پر تحریف معنوی کا ارتکاب کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

۞ اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا (فصلت:۴۰)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو ہماری آیات میں ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے

ہیں وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے۔

اور بعض وہ لوگ ظاہر ہوئے جنہوں نے اس طرح تحریف کی کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے مرادی معنی چھوڑ دیے اپنی عقل سے گھڑے ہوئے معانی انہوں نے مراد لے لیے، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا: وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِيٓ أَسْمَآئِهِ (الأعراف:۱۸۰) ترجمہ: اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

انکارِ حدیث کا سبب:

جب ان کے نزدیک عقل حق و باطل کو سمجھنے کے لیے سب سے بڑا مدار اور معیار ٹھہری تو اب اگر کہیں ''حدیثِ صحیح'' ان کے نظریہ میں رکاوٹ بنتی نظر آئی تو انہوں نے حدیث کا انکار کر دیا، یوں انکارِ حدیث کا بیج پڑ گیا، اور فتنۂ انکارِ حدیث وجود میں آیا۔ خلاصہ اس فتنہ کا یہ تھا کہ گویا ان کے نزدیک قولِ پیغمبر کی وہ حیثیت نہیں جو ان کے اپنے سمجھے ہوئے نظریہ کی ہے، اور اس فتنہ نے یہ بھی کیا کہ اگر کہیں ''فقہ'' ان کے نظریات میں آڑے آئی تو اس کا بھی انکار کر دیا۔

ان تمام فتنوں کے بیج پڑنے کی وجہ وہی یہودیانہ مزاج ہے، کہ وہ علمی غرور اور عقلی تکبر میں مبتلا تھے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے ''مقدس شخصیات اور رجال اللہ'' سے اعراض کیا بلکہ ان کے مقابلہ پر آ گئے، اور اسی چیز کو وہ علم سمجھنے لگے، قرآن نے ان کے اس خیالی علم کی قلعی یوں کھولی جس کو وہ علم سمجھتے تھے:

۞ فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَوٰةَ الدُّنْيَا ﴿٢٩﴾ ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِۦ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿٣٠﴾ (النجم: ۲۹-۳۰)

ترجمہ: پس آپ اس سے اعراض کیجئے جو ہمارے ذکر سے منہ پھیرے اور ان

کا مقصد صرف دنیاوی زندگی ہے، ان کے علم کا منتہی یہی ہے (جو انہوں نے سمجھا) اور اللہ بہتر جانتے ہیں کہ ہدایت یافتہ کون ہے اور ہدایت سے دور کون ہے۔

الحمدللہ! دو قسم کے طبقوں کے بارے میں گفتگو ہو چکی (۱) ایک جو کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں کا ردّ کرنے والے تھے اور (۲) دوسرے وہ لوگ جو شخصیت مقدّسہ کا رد کرنے والے اور اپنے خیالِ باطل میں کتاب اللہ کو تھامنے والے ہیں۔

تیسرا طبقہ: کتاب اللہ سے بیزار

تیسری قسم کا طبقہ بھی اس امت میں ظاہر ہوا جو نصرانی مزاج کا حامل طبقہ ہے، جنہوں نے ''کتاب اللہ'' سے اعراض کیا اور ''رجال اللہ'' سے اتنی گہری عقیدت وابستہ کی کہ حدود سے تجاوز کر گئے چنانچہ ''کتاب اللہ'' یعنی قرآن کریم کو کتاب ساکت (خاموش کتاب) سمجھنے لگے اور ''رجال اللہ'' کو کتاب ناطق (بولنے والی کتاب) کہنے لگے، اور ''رجال اللہ'' کے ہر قول و فعل کو ''کتاب اللہ'' پر ترجیح دینے لگے، (جب کتاب اللہ کہا جائے گا مراد قانون ہے جس میں قرآن پاک بھی داخل، حدیث بھی داخل اور فقہ بھی داخل ہے)، انہوں نے گویا شخصیت ہی کو مراد اور محور بنا لیا، شخصیت کا ہر قول و فعل ان کے ہاں حرفِ آخر اور شریعت قرار پایا۔

اس گمراہی کی جو ابتداء ہوئی اس کا سب سے پہلا مصداق ''روافض'' ہیں۔ روافض کا مذہب ہی شخصیت پرستی اور خاندان نوازی ہے، ان کے نزدیک ''کتاب اللہ'' کی کوئی حیثیت نہیں ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے زعمِ باطل میں چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حق پر سمجھا، باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لعن و طعن اور تبرّا کو جائز سمجھا اور اس کو عبادت بنا لیا، اور جن چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو انہوں نے حق پر

سمجھا، ان کو کبھی انہوں نے پنجتن پاک کا درجہ دیا، اور کبھی ان کو معصومیت والے مقام پر پہنچایا، اور ان میں نصاریٰ کی طرح "شرک فی الحکم" والا درجہ یوں ظاہر ہوا کہ انہوں نے شریعت میں ''امامت'' کا منصب نکال لیا، اور اپنے اماموں کو حلال وحرام میں اورحق وباطل میں وہ درجہ دیا جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو بھی نہیں دیا تھا، کیونکہ انبیاء علیہم السلام بھی حلال وحرام کو بیان کرنے والے ہیں، بنانے والے نہیں ہیں، انہوں نے بنانے کا اختیار بھی اپنے ''ائمہ'' کو دے دیا، چنانچہ اس منصب ''امامت'' پر اعتقاد کی وجہ سے یہ نصاری کی طرح "شرک فی الحکم" کے مرتکب ہوئے اور اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ (التوبۃ:۳۱) (ترجمہ: انہوں نے اللہ کے بجائے اپنے احبار (یعنی یہودی علماء) اور راہبوں (عیسائی درویشوں) کو خدا بنالیا ہے اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ ان کو ایک خدا کے سوا کسی کی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا) کا مصداق بن گئے۔

بلکہ اس سے بڑھ کر اسی مزاج پر چلتے ہوئے (شِبرًا بِشِبرٍ۔ حدیث کے مطابق جس طرح بالشت دوسری بالشت کے برابر ہوتی ہے) جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کا عقیدہ اختیار کیا اِنہوں (روافض) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ میں حلول کا عقیدہ اختیار کرلیا اور حضرت علی کو خدا کا درجہ دے دیا، الوہیتِ علی کا نعرہ لگایا، جب الوہیت علی کے قائل ہوئے خالق اور مخلوق میں فرق مٹادیا، تو خالق کی صفات بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ میں ماننے لگے، انہی سے مدد مانگنے لگے، انہی کو اپنا مشکل کشا کہنے لگے، چنانچہ یہ لوگ اسی نقش قدم پر چلتے ہوئے نصاریٰ کے مزاج پر چلتے ہوئے شرک کا ارتکاب کرنے لگے۔

اور بعض دوسرے لوگ اس اُمت میں انہی کے نقش قدم پر ظاہر ہوئے

جنہوں نے محبت اولیاء کا نعرہ لگایا اور محبت اولیاء کے نام سے انہوں نے شرک اور بدعات کو اختیار کیا، رجال اللہ سے محبت اور عقیدت کو انہوں نے عبادت تک پہنچا دیا، زندگی میں جو اولیاء اللہ تھے ان کو سجدہ تعظیمی کرنے لگے اور وفات پا جانے والے اولیاء اللہ کی قبور پر سجدہ اور طواف شروع کر دیے، مزارات پر اعتکاف شروع کر دیے، انہی اولیاء اللہ سے استغاثہ کرنے لگے، ''یا غوث اعظم دستگیر!'' کے نعرے لگائے، ''معین الدین چشتی! لگا دے پار کشتی'' کی فریاد کرنے لگے، اور اولیاء اللہ کے نام کے وظیفے کرنے لگے، ''یاعبدَالقادر شیئًاللہ''، گیارہ مرتبہ، سو مرتبہ کی تسبیحات ایجاد کیں، اور اولیاء اللہ کے نام پر منتیں ماننے لگے، انہی کے نام کی نذر و نیاز دینے لگے، ان کے نام پر قربانیاں اور ان کے نام پر جانور چھوڑنے لگے، الغرض حدودِ شریعت کو پامال کرتے ہوئے محبت اور عقیدت میں اتنے آگے بڑھے کہ یہ ان تمام شرکیات میں مبتلا ہو گئے، اور اپنی بندگی اور عقیدت ظاہر کرنے کے لیے اپنی اولادوں کے نام بھی ان کی طرح رکھنے لگے، عبدالنبی، عبدالرسول، عبدالمصطفی نام رکھے جانے لگے، جس طرح زمانہ جاہلیت کے لوگ اپنے بزرگوں سے عقیدت ظاہر کرنے کے لیے عبدالات، عبدالعزیٰ، عبدالمنات رکھتے تھے، انہوں نے اپنے بزرگوں کے ساتھ عقیدت کا اظہار بھی اسی طرح کیا۔

ان کی یہ کیفیت یہاں تک پہنچی کہ جب ان کے سامنے "کتاب اللہ" بیان کی جاتی ہے، شریعت کے احکام بیان کیے جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ مولویوں کا دین ہے، مولویوں کا دین اور ہے پیروں کا دین اور ہے، شریعت اور ہے تصوف و طریقت اور چیز ہے، ان کی وہ حالت ہو گئی جو کفار کی تھی کہ جب ان کے سامنے رب حقیقی اور توحید کا ذکر کیا جاتا ہے، تو ان کے چہروں پر سیاہی چھا جاتی ہے، چہرے سکڑ جاتے ہیں، اور جب ان کے سامنے شرک

کا ذکر آئے، ان محلاتِ شرک، آستانوں، مزاروں کا ذکر آئے تو ان کے چہرے فرطِ مسرّت سے کھل جاتے ہیں، چنانچہ قرآن نے اس کیفیت کو یوں بیان فرمایا:

﴿ وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٤٥﴾

(الزمر:۴۵)

ترجمہ: اور جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل گھٹ جاتے ہیں اور جب اللہ کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو فوراً خوش ہوجاتے ہیں۔

چنانچہ یہ طبقہ بھی موجود ہے جنہوں نے ''کتاب اللہ'' سے انقطاع اختیار کیا اور ''رجال اللہ'' سے عقیدت ومحبت میں اپنے آپ کو اس حد تک پہنچادیا۔

خلاصۂ کلام:

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک فرقہ ''شُبہات'' کا شکار ہوا جو علمی انداز میں رونما ہوا، دوسرا ''شہوات'' کا شکار ہوا جو عملی انداز میں رونما ہوا، ایک فرقہ کتاب اللہ سے جڑا اور رجال اللہ سے کٹ گیا اور دوسرا فرقہ رجال اللہ سے جڑا اور کتاب اللہ سے کٹ گیا، اور شریعت اور طریقت میں فرق کرنے لگا، تو ایک فرقہ یہودیوں کے نقش قدم پر چلا اور علمیت کے انداز میں پھیلا، اپنے زعم میں دلائل کے انداز میں پھیلا، اور دوسرا عقیدت کے رنگ میں بہکا، اور نصرانیوں کے مزاج پہ چلا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا حکیمانہ ارشاد:

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے بڑی خوبصورت بات ارشاد فرمائی اور یاد رکھنے کے قابل ہے اس بات کو علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اقتضاء الصراط المستقیم میں نقل فرمایا:

مَنْ فَسَدَ مِنْ عُلَمَائِنَا فَفِيهِ شِبْهٌ مِّنَ الْيَهُودِ وَمَنْ فَسَدَ مِنْ عِبَادِنَا فَفِيهِ شِبْهٌ مِّنَ النَّصَارٰى (اقتضاء الصراط:۱/۵)

ترجمہ: ہمارے مولویوں میں اگر کوئی بگڑا تو اس میں مشابہت یہود کی پائی جاتی ہے اور اگر صوفیوں میں کوئی بگڑا تو اس میں مشابہت نصاری کی پائی جاتی ہے۔

ہدایت کے جو دو عنصر قرآن کریم نے بیان فرمائے، کتاب اللہ اور رجال اللہ ان دونوں عنصروں سے یا کسی ایک سے کٹ جانا یہ گمراہی کا سبب ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے سلف کا یہ مقولہ بھی نقل فرمایا جس کو میں نے پہلے بھی ذکر کیا کہ ایک اُس عالم سے ڈرو جس کو اس کی خواہشِ نفس نے فتنے میں مبتلا کر دیا دوسرے اُس عبادت گزار صوفی سے ڈرو جس کو اس کی دنیا نے اندھا کر دیا ہے۔

ہدایت کے دونوں عناصر کو جمع رکھنے کا حدیث میں حکم فرمایا گیا ہے: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا : أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَّا إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ فَلَنْ تَضِلُّوا أَبَدًا كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ (سنن البیہقی الکبری:۱۰/۱۱۴)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں لوگوں سے ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں

تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، جن کو اگر تم نے مضبوطی سے تھام لیا تو ہرگز کبھی گمراہ نہ ہو گے اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔

جس نے دو باتوں کو تھاما وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگا، ایک ''کتاب اللہ'' کو دوسری ''سنت رسول اللہ ﷺ'' کو، اور سنت میں اشارہ کیا گیا ہے نمونہ عمل کی طرف یعنی رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے، اس سے مراد "شخصیت مقدسہ" ہے۔

اب ہم اقوام عالم اور اس امت کی تاریخ پر انصاف سے نظر ڈالیں اور ہر قسم کے تعصّبات سے ہٹ کر حق کی تلاش میں اگر ہم دیکھیں تو ہمیں یہ صاف نظر آئے گا کہ اس امت کا ہدایت یافتہ طبقہ جو دونوں یعنی کتاب اللہ اور رجال اللہ کو تھامے ہوئے ہے وہ " اہل السنۃ والجماعۃ" ہے، اور " اہل السنۃ والجماعۃ" کا مزاج کہ انہوں نے تمام رجال اللہ کو تھاما یعنی انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین، بزرگانِ دین، اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کو مانا اور ان کی اقتداء اور پیروی کو نجات کا راستہ سمجھا، لیکن ان میں سے کسی کی عبادت نہیں کی اور انہوں نے یہ سمجھا کہ شخصیات مقدسہ کی محبت درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی محبت ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ، فَبِبُغْضِيْ أَبْغَضَهُمْ (ترجمہ: جس نے صحابہ سے محبت کی تو اس نے میری محبت کی وجہ سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا سو اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔ (مشکاۃ المصابیح: ۳/ ۳۰۹) اور دوسری طرف انہوں نے کتاب اللہ کو اپنے راستہ کے قانون اور نظریہ کے طور پر اپنایا جس کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا۔

برکف جامِ شریعت برکفے سندانِ عشق
برہوسنا کہ نداند جام وسنداں باختن

ترجمہ: ایک ہاتھ میں شریعت کا جام ہے تو دوسرے ہاتھ میں عشق کا ہتھوڑا ہے۔ ہر ناقص آدمی اور نفس کی خواہشات کا بندہ نہیں جانتا کہ اس ہتھوڑے کو شریعت کے نازک پیالے کے ساتھ کس طرح ٹکرانا ہے بلکہ جامع اور محقق آدمی جانتا ہے کہ شریعت اور طریقت کی حدود کا کس طرح خیال کرنا ہے۔

برکف جام شریعت سے کتاب اللہ کی طرف اشارہ ہے، اور برکفِ سندانِ عشق یہ عشق ومحبت کا راستہ یعنی رجال اللہ کا راستہ ہے۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کا خوبصورت ارشاد:

اس لیے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا ایک ارشاد بڑا خوبصورت اور ہدایت کے لیے مشعل راہ ہے، فرماتے ہیں کہ ہم رجال اللہ اور کتاب اللہ دونوں کو تھامتے ہیں، ''رجال اللہ'' کو ہم ''کتاب اللہ'' سے پہچانیں گے اور ''کتاب اللہ'' ہم ''رجال اللہ'' سے سیکھیں گے، یعنی ہم رجال اللہ کو کتاب اللہ کے اوصاف سے پہچانیں گے اور کتاب اللہ، رجال اللہ سے سیکھیں گے تو جس کی یہ کیفیت ہو وہ بیان کے شروع میں آنے والی آیت وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ (الأنعام: ۱۵۳) کے تقاضے پر عمل پیرا ہو سکے گا۔

خلاصہ یہ کہ آخری دور میں اس امت میں ہدایت کا راستہ اہل السنۃ والجماعۃ ہے، اب ہمیں یہ سمجھنا ہے کہ ''اہل السنۃ والجماعۃ'' ہے کون؟ اس کا مصداق کون ہے؟ اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ حدیث سامنے رکھنی چاہیے:

عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ: (إِنَّ بَنِیْ إِسْرَآئِیْلَ افْتَرَقَتْ عَلٰی إِحْدٰی وَسَبْعِیْنَ فِرْقَةً. وَإِنَّ أُمَّتِیْ سَتَفْتَرِقُ عَلٰی ثِنَتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ فِرْقَةً. کُلُّهَا فِی النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةٌ وَهِیَ الْجَمَاعَةُ) فی الزوائد إسنادہ صحیح. رجالہ ثقات

(سنن ابن ماجہ: ۲/۱۳۲۲)

تلاشِ حق

حق اور باطل راستوں کی پہچان قرآن وسنت کی روشنی میں

چوتھا حصہ

آج کے اس سبق میں اس حدیث پاک کے بارے میں گفتگو کی جائے گی جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علاماتِ قیامت کے باب میں ارشاد فرمایا، اس حدیث کو حدیثِ افتراق بھی کہا جاتا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّةً کُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوْا مَنْ هِیَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ

ترجمہ: بیشک بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی، ایک کے سوا سب آگ میں جائیں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! وہ نجات پانے والا فرقہ کون سا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ راستہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ (یعنی اس پر چلنے والے لوگ جنتی ہیں)

حدیث پر محقّقانہ کلام:

اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل فرمایا ہے

اور "شارح سفر السعادۃ" نے مزید گیارہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا نام ذکر کیا، گویا یہ روایت پندرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اگر چہ بعض سندوں پر کلام ہے، لیکن مجموعی اعتبار سے یہ حدیث حجت ہے اور قابلِ استدلال ہے، امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "المقاصد الحسنۃ" میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے، شیخ محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "تذکرۃ الموضوعات" میں اس کو ذکر کیا ہے اور کوئی کلام نہیں کیا، امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الاعتصام" میں کئی جگہ اس کی صحت کا حکم لگایا، یہ تفصیل اس لیے ذکر کی گئی کہ اس کی صحت پر بعض حضرات خصوصاً علامہ ابنِ حزم رحمۃ اللہ علیہ نے کلام کیا ہے۔

نیز واضح رہے کہ اس حدیث میں جو مضمون بیان فرمایا گیا، اس قسم کا مضمون دوسری احادیث میں بھی ہے اور قرآن پاک میں بھی اس حوالے سے اشارات ملتے ہیں اور اس کی صحت کے بارے میں لفظی و معنوی قرائن موجود ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ (تفصیل کے لیے ''ترجمان السنۃ'' مؤلفہ حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ کی پہلی جلد کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے)

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی اسرائیل کے اندر بہتر (۷۲) فرقوں کی، اور اپنی امت میں تہتّر (۷۳) فرقوں کے پیدا ہونے کی خبر دی۔

ایک لایعنی محنت:

حدیث شریف میں پیشین گوئی کے ہوتے ہوئے اب یہ کہنا کہ فرقے سارے کے سارے ختم ہو جائیں لاحاصل ہے، یہ کوشش پانی میں مدھانی چلانے کے مترادف ہے کہ اس سے کبھی مکھن نکلنے کی امید نہیں ہے، فرقے کبھی ختم نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ ان کی پیشن گوئی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

کی ہے، اس لیے میڈیا پر آنے والی، اخباروں میں آنی والی بحثیں کہ کسی طرح فرقے بالکلیہ ختم ہو جائیں، یہ کوششیں کبھی بارآور اور مفید نہیں ہوسکتیں۔

البتہ کرنے کا کام یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے ان میں سے حق فرقے کی علامات اورنشانیاں واضح کی جائیں، تاکہ باطل فرقوں کا ووٹ بینک کم سے کم ہوجائے، ان کی تعداد کم سے کم کی جائے تاکہ لوگ ان باطل فرقوں اوران کے نظریات کو چھوڑ کر حق کی طرف آجائیں، اختلافات کوسرے سے ختم نہیں کیا جاسکتا، البتہ اختلاف کوکافی حد تک کم کیا جاسکتا ہے۔

اتفاق کے حصول کا صحیح راستہ:

اختلاف کم کرنے کی جو کوششیں اس وقت دنیا میں رائج ہیں وہ اکثر غیر معقول کوششیں ہیں، آج کل اختلاف کوختم کرنے کے لیے حق والے کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ حق کو چھوڑ کو باطل کو اختیار کرے، اس سے کبھی اختلاف ختم نہیں ہوسکتا، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اختلاف کوختم کرنے کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ باطل کو مجبور کیا جائے کہ وہ باطل کو چھوڑ کر حق کو اختیار کرے۔

آپ نے ایک مقام پر فرمایا: اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک شخص نے دوسرے پر ظلم کیا، اس کے مال، جان یا عزت پر ہاتھ ڈالا اور اس مظلوم نے عدالت میں مقدمہ دائر کردیا، اب مدّعی اور مدعیٰ علیہ کے درمیان اختلاف ہے، ایک ظالم ہے اور ایک مظلوم ہے، اب ان کے اختلاف کو ختم کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ مظلوم کو مجبور کیا جائے کہ تم ظالم کا ساتھ دو، یہ طریقہ اور طرزِ فکر دنیا کے ہر قانون میں اور ہر عقل مند کے نزدیک غیر معقول حرکت ہے، یہاں ان

کے اختلاف کو مٹانے کا صحیح راستہ یہ ہے کہ ظالم کو مجبور کیا جائے کہ ظالم اِس مظلوم کا حق ادا کرے، یہی وہ معقول راستہ ہے، جس کو دنیا کی عقلیں تسلیم کرتی ہیں، اس طرح نظریاتی اور فکری اختلافات میں، عقیدہ کے اختلافات میں، باطل کو دلائل اور تبلیغ کے ذریعے مجبور کیا جائے کہ وہ حق عقیدہ اور صحیح نظریات پر مطمئن ہو جائے اور وہ حق کی طرف رجوع کرلے۔

اہل السنۃ والجماعۃ کی تحقیق:

آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں ایک فرقے کو ''ناجی'' (نجات پانے والا) فرمایا اور باقی بہتر (۷۲) فرقوں کو ''ناری'' فرمایا، نجات پانے والا ایک فرقہ ہوگا اور باقی فرقے دوزخ میں جائیں گے، اور نجات پانے والے فرقے کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا ''مَا اَنَا عَلَيۡهِ وَاَصۡحَابِیۡ'' یہاں اس حدیث میں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ''مَا اَنَا عَلَيۡهِ وَاَصۡحَابِیۡ'' سے کیا مراد ہے؟

مَا اَنَا عَلَيۡهِ سے مراد وہ ''دستور اور قانون'' ہے جس پر آنحضرت ﷺ خود عمل پیرا تھے اور ''اَصۡحَابِیۡ'' سے مراد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت اور ان کا طریقہ عمل ہے۔ حضرات اسلاف رحمۃ اللہ علیہم نے اسی حدیث کے پہلے جز سے ''اہل السنۃ'' کا لفظ ماخوذ کیا کہ آپ ﷺ کے طریقے کو ''سنت'' کہا جاتا ہے، ''وَاَصۡحَابِیۡ'' سے مراد ''الجماعۃ'' یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت ہے، گویا اس حدیث سے ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کا لقب ماخوذ ہوا۔

''اہل السنۃ والجماعۃ'' کا لقب کب مشہور ہوا؟

یہ لقب ''اہل السنۃ والجماعۃ'' آج کے زمانہ کا نوزائیدہ یا نومولود لقب نہیں ہے بلکہ خیر القرون سے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ سے چلا آرہا ہے، اور

حدیث کے قرائن اور شواہد بتلاتے ہیں کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں یہ لقب معروف تھا۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "البدورُ السافِرۃ" میں يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ (آل عمران: ۱۰۶) کے حوالے سے حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ تفسیر نقل فرمائی: قَالَ تَبيَضُّ وُجُوهُ اَهلِ السُّنَّةِ وَالجَمَاعَةِ وَتَسوَدُّ وُجُوهُ اَهلُ البِدَعِ وَالضَّلَالِ یعنی قیامت کے دن جن کے چہرے روشن ہوں گے وہ "اہل السنۃ والجماعۃ" ہوں گے اور جن کے چہرے سیاہ ہوں گے وہ "اَهلُ البِدَعِ وَالضَّلَالِ" ہوں گے، گویا آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اس تفسیر نے واضح کیا کہ حدیث میں جس "فرقہ ناجیہ" کی پیش گوئی فرمائی گئی ان کے چہرے قیامت کے دن روشن ہوں گے اور جن چہروں کو دوزخی قرار دیا گیا بہتر (۷۲) فرقے یہ وہی ہوں گے جن کے چہروں پر سیاہی چھائی ہوئی گی۔

آیتِ مذکورہ کے اہم نکات:

اس تفسیر سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) "اہل السنۃ والجماعۃ" کے لقب کی مستحق جماعت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں موجود تھی، اسی لیے آپ اس کی تفسیر فرمارہے ہیں۔

(۲) یہ لقب خیر القرون کے زمانہ میں بھی معروف تھا، اس وقت سے استعمال ہو رہا ہے، اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب " اہل السنۃ والجماعۃ" کا لفظ استعمال فرمایا، اس کی تشریح نہیں فرمائی، اس لیے کہ مخاطب اس کو سمجھتا تھا کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں۔

(۳) اس تفسیر میں تقابلی انداز سے معلوم ہوا کہ اہل السنۃ والجماعۃ کی مخالف

جتنی جماعتیں ہوں گی وہ اَھْلُ الْبِدَعِ وَالضَّلَالِ ہوں گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ "اہل السنۃ والجماعۃ" وہ جماعت ہے جس جماعت کا محور، لوگو (Logo) اور پہچان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے، اور دوسری جماعتوں کا لوگو (Logo) اور پہچان نئی نئی بدعات اور بعد کے زمانے کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔

اہم نوٹ: یہاں ایک بڑی باریک بات یہ ملحوظ رکھنی چاہیے کہ "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" کی جو تشریح "اہل السنۃ والجماعۃ" سے کی گئی ہے، اس میں جو واؤ عاطفہ استعمال کی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ نجات کے لیے دونوں باتیں ہونا ضروری ہے، خالی سنت کافی نہیں، بلکہ وہ "سنت" ضروری ہے جس کے ساتھ جماعت کی تائید بھی شامل ہو، محض ''اہل السنۃ'' یا ''اہل الحدیث'' ہونا کافی نہیں، بلکہ سنت کا وہی مفہوم معتبر ہوگا جس کو ''الجماعت'' نے بیان فرمایا یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے، دوسرے لفظوں میں ان کے اقوال، ان کے فتاویٰ بھی حجت ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال کی تشریح کے لیے سب سے پہلے شارح کی حیثیت رکھتے ہیں۔

لقبِ "اہل السنۃ والجماعۃ" سے لطیف اشارہ:

"اہل السنۃ والجماعۃ" کے لفظ میں اگر ہم غور کریں، یا "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" کو لیں تو ہدایت کے دو عناصر "کتاب اللہ اور رجال اللہ" کی بحث تازہ ہو جاتی ہے، "مَا" سے اشارہ ہوا ہے دستور کی طرف، قانون کی طرف اور شریعت کی طرف اور "اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" سے اشارہ ہوا شخصیاتِ مقدسہ کی طرف، گویا اس زمانہ میں بھی مختلف فرقوں میں نجات والا فرقہ، وہ ہوگا جو کتاب اللہ سے اور رجال اللہ سے بیک وقت وابستہ ہو، کسی ایک سے جڑنے والا اور دوسرے سے کٹ جانے والا "فرقہ ناجیہ" نہیں ہے اور "اہل السنۃ والجماعۃ" یا "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" کے راستے پر چلنے والا نہیں ہے۔

"الجماعۃ" کی حقیقت:

الجماعۃ کا لفظ گذشتہ حدیث سے ماخوذ کیا گیا ہے اور بعض روایات میں اس لفظ کو صراحۃً ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، مشکوٰۃ شریف کے الفاظ یہ ہیں: "عَنْ أَبِي عَامِرٍ عَبْدِ اللهِ بْنِ لُحَيٍّ قَالَ حَجَجْنَا مَعَ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ فَلَمَّا قَدِمْنَا مَكَّةَ قَامَ حِيْنَ صَلَّى صَلَاةَ الظُّهْرِ فَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابَيْنِ افْتَرَقُوْا فِي دِيْنِهِمْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَإِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةً يَعْنِي الْأَهْوَاءَ كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً وَهِيَ الْجَمَاعَةُ." (مسند أحمد: ۲۸/۱۳۴)

ترجمہ: ابو عامر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم نے معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا، پس جب ہم مکہ آئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ظہر کی نماز پڑھ کر کھڑے ہوئے اور فرمایا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اہل کتاب کے دونوں طبقے اپنے دین میں بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور بیشک یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی، تمام جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے اور وہ ایک جماعت ہے۔

یہاں اس حدیث میں محض "اَلْجَمَاعَةُ" کا لفظ استعمال فرمایا گیا، لیکن اس میں لفظِ "مَا" والا مفہوم یعنی دستور اور کتاب اللہ کا مفہوم بھی شامل ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو "اَلْجَمَاعَةُ" ہونے کا شرف حاصل ہوا، وہ اسی سنت اور دستور کی پیروی کی وجہ سے ہوا، صحابہ رضی اللہ عنہم کی پہچان اتباع سنت ہے، بعد کی ایجادات نہیں، اس لیے جب "الجماعۃ" کہا گیا تو سنت کا لفظ خود بخود اس کے اندر شامل ہو گیا۔

ایک اور روایت جو تفسیر درِ منثور میں ہے اور خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں نقل فرمائی:

"عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَرَأَ یَوْمًا "یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ" قَالَ تَبْیَضُّ وُجُوْہُ اَھْلِ الْجَمَاعَاتِ وَالسُّنَّۃِ وَتَسْوَدُّ وُجُوْہُ اَھْلِ الْبِدَعِ وَالْاَھْوَاءِ" (درمنثور: ۶۳/۲)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن یہ آیت تلاوت فرمائی (جس دن بعض چہرے سفید اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے) فرمایا: ''جماعات'' اور سنت والوں کے چہرے روشن اور اہل بدعت وخواہشات کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

گویا روایت سے بھی اس کی تائید ہوگئی، یہاں جو "الجماعات" جمع کا لفظ فرمایا گیا کہیں یہ شبہ نہ ہو کہ اس سے مختلف جماعات مراد ہیں، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو مختلف چھوٹی چھوٹی جماعتیں ملکوں میں پھیلیں، ان کو الجماعات سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ مختلف علاقوں میں انہوں نے تعلیم وتدریس کے مراکز بنائے۔

بہرحال! آج کے دور میں مختلف فرقوں میں صحیح راستہ پر چلنے والا اور فرقہ ناجیہ وہ ہوگا جو متصل سند کے ساتھ اور تسلسل کے ساتھ ہدایت کے ان دونوں عناصر کے ساتھ جڑا ہوگا، یعنی سنت کے ساتھ اور الجماعۃ یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ، اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن میں عام انسانوں کے ایمان اور عقیدے کے معتبر ہونے کے لیے اسی جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم خیر القرون کی اسی جماعت کو معیار بنایا، چنانچہ سورۃ بقرۃ میں "وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ (البقرۃ: ۱۳)

(ترجمہ: اور جب ان منافقین سے کہا جاتا ہے کہ تم ایسے ایمان لاؤ جیسے دوسرے لوگ (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ایمان لائے ہیں) قیامت تک کے لیے دنیا سے ایمان کے معتبر

ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ان کا ایمان صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان کی طرح ہو۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے: فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ (البقرۃ:۱۳۷)

ترجمہ: پس اگر وہ اس طرح ایمان لائیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت پا جائیں گے اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو وہی ضد پر ہیں، پس اللہ ان کو کافی ہو جائے گا اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اس آیت میں بھی واضح فرمادیا کہ ان لوگوں کا ایمان بھی جب معتبر ہوگا اور وہ ہدایت یافتہ کہلائیں گے جب ان کا ایمان صحابہ جیسا ہوگا۔

اور اس کے بعد فرمایا: ”وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ“ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے ایمان لانے سے اعراض کرے گا ان کے راستہ سے اختلاف کرنے والا وہی ہے جو سیدھے راستہ سے ہٹ جانے والا ہے اور اللہ ان کے لیے کافی ہے اور وہ سننے اور جاننے والا ہے۔

”اہل السنۃ والجماعۃ“ کے لقب میں لطیف حکمت:

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ فرقہ ناجیہ کے لیے کچھ اور القاب بھی ہو سکتے تھے جیسے اہل القرآن، اہل الحدیث، اہل الفقہ، اہل اسلام، اہل تصوف، لیکن ”اہل السنۃ والجماعۃ“ کا لقب کیوں منتخب فرمایا، اس لیے کہ اگر یہ القاب ہوتے تو ان سے خالی دستور اور قانون کی طرف تو اشارہ ہوتا شخصیات مقدسہ کی طرف اشارہ نہ ہوتا اور رجال اللہ سے نسبت کٹ جاتی اور ان القاب سے یوں محسوس ہوتا کہ شاید اس جماعت کا محور صرف علمیت اور خود رائی، آزاد خیالی، اپنا مطالعہ اور اپنی تحقیق (Research) ہے، اور اس کے بالمقابل اگر یہ لقب ہوتا،

عاشقانِ رسول، محبّانِ صحابہ، اتباعُ المحدثین، اَصحابُ الفقہاء، یا والہانِ اولیاء، عشّاق اولیاء، یا اس جیسا کوئی اور لقب ہوتا تو ان الفاظ سے اشارہ شخصیات کی طرف ہوتا، لیکن دستور قانون اور کتاب اللہ کا مفہوم کٹ کر رہ جاتا، کیونکہ ان الفاظ سے خالی شخصیت پرستی سمجھ میں آتی ہے، تو ہمیں جو اسلاف نے لقب دیا ''اہل السنۃ والجماعۃ''، اس میں ہدایت کے دونوں عناصر کے مجموعہ کی طرف اشارہ ہے، اور اس میں اس مزاج کے ساتھ حسین امتزاج ہے جو شروع سے چلا آ رہا ہے۔

خلاصۂ بیان:

خلاصہ بحث یہ ہوا کہ اعتدال کا راستہ اور انصاف کا راستہ وہ ہے جس میں افراط اور تفریط نہ ہو۔ نہ حدود سے تجاوز کیا گیا ہو اور نہ حدود کے اندر کمی کی گئی ہو، "افراط" کرنے والے یہود کے مزاج پر چلنے والے اور "تفریط" کرنے والے نصاری کے مزاج کے حامل لوگ ہیں، اور جب بندہ ان دونوں مزاجوں سے اپنے نفس کو پاک کر کے ہدایت کے دونوں عناصر سے جڑ جاتا ہے تو اس کے اندر وہ اعتدال پیدا ہو جاتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے ہاں پسندیدہ اور مطلوب ہے، اور اس آیت کا مصداق ہو جاتا ہے "لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ" (تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قائم رہیں)، کسی ایک سے بھی کٹ جانے سے افراط و تفریط پیدا ہو جاتا ہے، اعتدال ختم ہو جائے گا اور میانہ روی جو مطلوب ہے وہ ختم ہو جائے گی اور بندہ صراط مستقیم سے جب ہٹے گا تو ان راستوں پر چلے گا جن کو "فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ" (انعام: آیت ۱۵۳) (ترجمہ: وہ تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے۔) فرمایا۔

اہم بات:

یہاں ایک بات ذکر کرنا ضروری ہے، دورِ حاضر میں بھی اس وقت حق کا معیار مختلف جماعتوں اور افکار میں وہ جماعت اور فکر ہوگی جس کے نظریات کا محور صحابہ رضی اللہ عنہم کرام ہوں گے، اگر خالص صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی کہہ دیا جائے تو کافی ہے اس لیے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جو امتیاز ہے وہ سنت نبوی کی اتباع ہے، اور خالص سنت کہہ دیا جائے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ خود اپنی رائے، اپنے مطالعہ سے سنت کا مفہوم سمجھنے والا ہے۔

اسلاف بزرگانِ دین کی تعلیم:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد قیامت تک کے لیے مشعل راہ ہے۔ وَ قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ: "مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُّتَأَسِّيًا فَلْيَتَأَسَّ بِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنَّهُمْ كَانُوْا أَبَرَّ هٰذِهِ الْأُمَّةِ قُلُوْبًا وَ أَعْمَقَهَا عِلْمًا وَ أَقَلَّهَا تَكَلُّفًا وَ أَقْوَمَهَا هَدْيًا وَأَحْسَنَهَا حَالًا، قَوْماً اخْتَارَهُمُ اللهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِقَامَةِ دِيْنِهٖ، فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ، وَاتَّبِعُوْهُمْ فِيْ آثَارِهِمْ، فَإِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيْمِ" (السلسلة الصحيحة المجلدات الكاملة (۱۴۷/۶)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میں سے جو پیروی کرنا چاہے تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی کرے، اس لیے کہ وہ اس امت کے سب سے نیک دل، مضبوط علم والے، بے تکلف، بہترین سیرت اور حالت والے ہیں، وہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت، اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لیے چن لیا، لہٰذا ان کی فضیلت کو پہچانو، اور

ان کے نشانِ قدم کی پیروی کرتے رہو اس لیے کہ وہ صراط مستقیم پر تھے۔

تو حضرت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان تمام لوگوں کو جو کسی راستہ پر چلنے والے ہوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ بطور رہنمائی اور مشعل راہ کے بیان فرمایا۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد بقیۃ بن ولید کو یہ وصیت فرمائی:

"حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ، قَالَ: سَمِعْتُ الْأَوْزَاعِيَّ، يَقُولُ: اَلْعِلْمُ مَا جَاءَ عَنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ وَمَا لَمْ يَجِئْ عَنْ وَّاحِدٍ مِّنْهُمْ فَلَيْسَ بِعِلْمٍ"

جامع بیان العلم وفضله (مؤسسة الريان: ۶۵/۲)

ترجمہ: بقیہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: علم وہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ سے منقول ہو اور جو ان کی طرف سے نہ ہو وہ علم نہیں ہے۔

امام ابنِ عبدالبر نے اپنی کتاب جامع بیان العلم میں اس کو نقل فرمایا، اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: "لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَّا اَتَاهُمُ الْعِلْمُ مِنْ قِبَلِ اَكَابِرِهِمْ فَاِذَا اَتَاهُمْ عَنْ اَصَاغِرِهِمْ هَلَكُوْا" ترجمہ: ہمیشہ لوگ بھلائی پر رہیں گے جب کہ علم ان کے اکابر کی طرف سے آتا رہے اور جب علم ان کے اصاغر کی طرف سے آئے گا تو ہلاک ہو جائیں گے۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہاں اصاغر سے مراد اَهْلُ الرَّاْيِ ہیں جو اپنی رائے اور اپنی تحقیق سے مطالعہ کرنے والے ہوں اور اکابر سے مراد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کا ارشاد:

حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے ناجی (نجات پانے والا) اور ناری (دوزخی) ہونے کا مطلب بیان فرمایا، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث

دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاوی میں اس کی جزوی اصلاح کرکے اس کو نقل کیا، کہ فرقہ ناجی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ فرقہ بغیر کسی ادنیٰ عذاب کے سیدھا جنت میں چلا جائے گا، اور یہ وہ فرقہ ہے جس سے کوئی اعتقادی و عملی بدعت ظاہر نہیں ہوئی، اگر ان سے کوئی اور عملی خرابی ہوگئی تو اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ معاف فرمادے اور اگر معاف نہ فرمایا تو قبر اور حشر کی سختیوں میں ان کا حساب کر دیا جائے گا۔

اور ناری ہونے والے باقی تمام فرقے اپنے افتراق واختراع کی وجہ سے اولاً جہنم میں جائیں گے پھر عذاب بھگتنے کے بعد جنت میں جائیں گے۔ وہ فرقے جو اسلام کے اندر پیدا ہوئے، بالآخر ان کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائیں گے، مراد یہ ہے کہ ان کا دخولِ اوّلی جنت میں نہیں ہوگا یہ نہ سمجھا جائے کہ ان کا "خُلُودفِي النَّارِ" یعنی ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں جانا ہے کیونکہ "خُلُودفِي النَّارِ" بغیر کفر وشرک کے نہیں ہوگا۔

یادرہے کہ یہ بات ان فرقوں کے بارے میں ہے جن کے عقائد کفر تک نہ پہنچے ہوں، اگر وہ کفر کی حد تک پہنچے ہوں تو اگر چہ وہ اسلام کا نام لیتے ہوں کفر زندقہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے زندیق ہیں مثلاً تحریف قرآن کے قائل ہوں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کے قائل ہوں، ان کا حکم سابقہ فرقوں کی طرح نہیں ہوگا کہ عذاب بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہوں گے بلکہ ان کے لیے "خُلُودفِي النَّارِ" ہوگا۔

خلاصہ بحث:

پچھلے مضمون اور اس گفتگو کا خلاصہ یہ نکلا کہ کامیابی اور کامرانی کے لیے مختلف فرقوں میں مختلف جماعتوں میں ہدایت اور روشنی کا راستہ یہ ہے کہ سنت

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے راستے کو مضبوطی سے پکڑ لیا جائے، اس راستے پر چلنے والا اللہ کی رحمت سے سیدھا جنت میں چلا جائے گا، اور سنت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے راستے سے ہٹنے والے ہی کو اختلاف کرنے والا سمجھا جائے گا ۔

آخر میں اکبر الہ آبادی کے عارفانہ ایک شعر پر بات ختم کرتا ہوں:

اللہ کی راہیں سب ہیں کھلی
آثار ونشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن
ان راہوں پر چلنا چھوڑ دیا

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ. اللّٰهُمَّ اجْعَلْ هٰذَا الْجُهْدَ الْمُتَوَاضِعَ خَالِصًا لِّوَجْهِكَ الْكَرِيْمِ وَسَبَبًا لِّإِلْقَاءِ السُّرُوْرِ فِيْ قَلْبِ رَسُوْلِكَ الرَّؤُوْفِ الرَّحِيْمِ، وَوَسِيْلَةً لِشِفَاعَةِ نَبِيِّنَا الْكَرِيْمِ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. آمین

تقلید کی شرعی حیثیت

تفہیم الفقہ جلد اوّل سے لیا گیا ایک باب

زمانہ قدیم سے لوگ اپنی زندگی میں درپیش مسائل علماء سے پوچھتے آرہے ہیں کیونکہ عام لوگوں میں براہِ راست قرآن وحدیث سے شرعی احکام سمجھنے کی اہلیت نہیں ہے لہٰذا عام لوگوں کے پاس اپنے شرعی مسائل معلوم کرنے کا سوائے علماء کے کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ نیز جو لوگ علم وفن کے ماہر نہ ہوں انہیں قرآن کریم نے یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس علم وفن کے ماہرین سے پوچھ پوچھ کر عمل کیا کریں اور یہی چیز تقلید کہلاتی ہے کیونکہ تقلید کی یہی تعریف ہے کہ جو آدمی قرآن وسنت کے علوم میں پوری بصیرت کا حامل ہو، اس نے قرآن وسنت سے جو مطلب سمجھا ہو، اس پر دلیل کا مطالبہ کئے بغیر عمل کیا جائے۔

البتہ خیر القرون کے زمانہ میں لوگ کسی ایک عالم اور مفتی سے مسائل پوچھنے کا اپنے آپ کو اس حد تک پابند نہیں سمجھتے تھے کہ کسی دوسرے عالم اور مفتی سے مسئلہ معلوم کرنا ناجائز ہو، بلکہ ہوتا یوں تھا کہ جن لوگوں کو جس عالم اور مفتی سے کوئی خاص مناسبت ہوتی تو بنسبت دوسرے علماء کے اس پر زیادہ اعتماد اور بھروسہ کرتے اور اپنے اکثر مسائل کے سلسلے میں انہی سے رجوع کرتے، اس کی متعدد مثالیں ذخیرہ احادیث میں ملتی ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

حدیث سے پہلی مثال:

صحیح بخاری میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بعض اہلِ مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا جو طوافِ فرض کے بعد حائضہ ہوگئی ہو کہ وہ طوافِ وداع کے لیے پاک ہونے کا انتظار کرے یا طوافِ وداع اس سے ساقط ہو جائے گا اور وہ بغیر طواف کے واپس آ سکتی ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ طوافِ وداع کے بغیر جا سکتی ہے، اہلِ مدینہ نے کہا ہم آپ کے قول پر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول کو چھوڑ کر عمل نہیں کریں گے، اور یہی روایت معجم اسماعیلی میں بھی ہے، اس میں اہلِ مدینہ کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں؛ ہمیں پرواہ نہیں کہ آپ فتویٰ دیں یا نہ دیں۔ زید بن ثابت کا قول یہ ہے کہ وہ طوافِ وداع کے بغیر نہیں جا سکتی اور یہی واقعہ مسندِ طیالسی میں منقول ہے، اس میں اہلِ مدینہ کے یہ الفاظ مروی ہیں: اے ابن عباس رضی اللہ عنہما! جس معاملے میں آپ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مخالفت کر رہے ہیں، اس میں ہم آپ کی اتباع نہیں کریں گے۔

تو اس واقعہ میں اہلِ مدینہ نے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کی مخالفت کی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علم پر پورا اعتماد تھا اور انہوں نے اپنے حق میں انہیں کے قول کو حجت سمجھا۔

پھر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حدیث کی تحقیق کر کے اپنے سابق فتویٰ سے رجوع کر لیا جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں اس وقت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا جب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ حائضہ عورت طوافِ وداع کو چھوڑ کر اپنے وطن جا سکتی ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ

جی ہاں آپ فلاں انصاری عورت (غالباً ام سلیم رضی اللہ عنہا ہیں جیسا کہ بخاری کی روایت ہے) سے پوچھئے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا حکم دیا تھا، طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حدیث کی تحقیق کر کے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور کہا مجھے یقین ہے کہ آپ نے صحیح فرمایا۔

بہرحال جب حضرت زید نے اپنے سابق فتویٰ سے رجوع فرمالیا تب اہلِ مدینہ کو یقین ہو گیا کہ حائضہ عورت طوافِ وداع چھوڑ کر واپس جاسکتی ہے۔

حدیث سے دوسری مثال:

اس سلسلے میں دوسری روایت وہ ہے جسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ابومسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے نقل کیا ہے، ابومسلم خولانی کہتے ہیں کہ میں اہلِ دمشق کی مسجد میں آیا دیکھا کہ ایک حلقہ ہے جس میں ادھیڑ عمر کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین موجود ہیں (ایک روایت میں ہے کہ ان صحابہ کرام کی تعداد تیس کے لگ بھگ تھی) انہی میں میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان ہے جس کی آنکھیں سرمگین ہیں اور سامنے کے دانت چمکدار ہیں، جب ان صحابہ کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف رائے ہوتا تو وہ اس کا فیصلہ اسی نوجوان سے کراتے، میں نے اپنے ایک ہم نشین سے پوچھا کہ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ عام لوگوں کو جس عالم پر پورا اعتماد اور بھروسہ ہوتا وہ اپنے مسائل کے حوالے سے اسی سے رجوع کرتے اور اس کے بتلائے ہوئے مسئلے کو دوسرے علماء کے مسائل پر اپنے حق میں زیادہ حجت سمجھتے اور اس زمانہ میں چونکہ مذاہب خاص ترتیب سے مدون نہیں ہوئے تھے اس لیے لوگ کسی ایک عالم سے مسائل پوچھنے پر اقتصار نہیں کرتے تھے بلکہ جس عالم تک ان کی

رسائی آسانی سے ہو جاتی اس سے وہ اپنے مسائل پوچھ لیتے، اگر چہ وہ عالم ایسا ہو جس سے عموماً وہ اپنے مسائل نہ پوچھتے ہوں۔

اور اس زمانہ میں اس بات کا اندیشہ بھی نہیں تھا کہ لوگ اپنی خواہشات کے تابع کبھی کسی مجتہد کا اور کبھی کسی مجتہد کا قول اختیار کر لیں گے کیونکہ اس زمانہ میں مجتہدین کے مسائل کتابوں میں مدوّن نہیں تھے ایک آدمی کو اس وقت تک کسی مسئلہ میں کسی کا مذہب معلوم نہیں ہو سکتا تھا جب تک وہ اس سے پوچھ نہ لیتا۔

ائمہ اربعہ کی تقلید:

لیکن جب ائمہ اربعہ کے فقہی مذاہب مدوّن شکل میں محفوظ ہو گئے اور مدارس میں صرف انہی کی تعلیم دی جانے لگی تو ان حضرات کے فقہی اقوال لوگوں میں آہستہ آہستہ مشہور ہو گئے۔ اب اگر ہر شخص کو اس بات کی کھلی چھوٹ دے دی جائے کہ وہ درپیش مسائل میں ان ائمہ اربعہ میں سے جس کے قول کو چاہے اختیار کرے تو اس کا نتیجہ خواہش پرستی کے دروازہ کو کھولنا ہے، اگر چہ اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ ائمہ مجتہدین نے قرآن وسنت کی کسی دلیل کی بنیاد پر کوئی مذہب اختیار کیا ہے۔ ان کے اقوال کی بنیاد قرآن وسنت کی کوئی دلیل ہے نہ کہ اتباعِ ھوی (خواہشات کی پیروی)۔ تو ایک دوسرے مجتہد کو تو یہ اختیار ہے کہ اگر اسے کوئی قوی دلیل مل جائے تو پہلے مجتہد کے قول کو رد کر کے دوسرے پر عمل کرے مگر ایک عام آدمی جس میں دلائل شرعیہ کی بنیاد پر ان فقہی اقوال وآراء کو پرکھنے کی بالکل صلاحیت واہلیت نہیں ہے، اسے اگر اس بات کی اجازت مل جائے کہ وہ ان اقوال میں سے جس پر چاہے عمل کرے اور جس کو چاہے ترک کر دے تو یہاں اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ وہ جن اقوال وآراء پر عمل کرے گا اس کی بنیاد خواہش پرستی ہو گی نہ کہ دین پرستی۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا فقہی مذاہب کے بارے میں ارشاد:

وَمَعْلُومٌ أَنَّ أَهْلَ الْمَذَاهِبِ كَالْحَنَفِيَّةِ وَالْمَالِكِيَّةِ وَالشَّافِعِيَّةِ وَالْحَنْبَلِيَّةِ دِيْنُهُمْ وَاحِدٌ . وَكُلُّ مَنْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْهُمْ بِحَسَبِ وُسْعِهٖ كَانَ مُؤْمِنًا سَعِيْدًا بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِيْنَ. مجموع الفتاوی (۴۶۲/۲۷)

اور یہ بات یقینی ہے کہ اہل مذاہب مثلاً حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ ان سب کا دین ایک ہی ہے، اور ان میں سے جو بھی اپنی طاقت کے بقدر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے وہ کامیاب مومن ہے اس بات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق اور اجماع ہے۔

مفتی اعظم سعودی عرب شیخ عبدالعزیز بن باز کا فتوی:

وَبَيَانُ أَنَّ أَتْبَاعَ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ كُلَّهُمْ أُخْوَةٌ فِي اللّٰهِ يُصَلِّيْ بَعْضُهُمْ خَلْفَ بَعْضٍ وَيَعْرِفُ لَهٗ حَقَّهٗ وَفَضْلَهٗ ,وَإِنِ اخْتَلَفُوْا فِيْ بَعْضِ الْمَسَائِلِ الْفَرْعِيَّةِ , وَأَتْبَاعَ الشَّيْخِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْوَهَّابِ رَحِمَهُ اللّٰهُ كُلُّهُمْ مِنَ الْحَنَابِلَةِ وَيَعْتَرِفُوْنَ بِفَضْلِ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ وَيَعْتَبِرُوْنَ أَتْبَاعَ الْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ إِخْوَةً لَّهُمْ فِي اللّٰهِ. مجموع فتاوی ابن باز (۱۵۰/۵)

ترجمہ: بیشک ائمہ اربعہ کے متبعین سب کے سب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر بھائی بھائی ہیں، ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز ادا کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی فضیلت اور حق کو پہچانتے ہیں، اگرچہ بعض فروعی مسائل میں

اختلاف رکھتے ہیں، اور شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے تمام متبعین حنابلہ میں سے ہیں، جو ائمہ اربعہ کی فضیلت کا اعتراف اور ان کے مذاہب کو معتبر مانتے ہوئے سب کو دینی بھائی سمجھتے ہیں۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ حَفِظَكُمُ اللهُ أَنَّ الْخِلَافَ الْمَذْهَبِيَّ فِيْ أُمُوْرِ الْفُرُوْعِ وَاقِعٌ مُنْذُ قَدِيْمِ الزَّمَانِ, وَلَمْ يُؤَدِّ ذٰلِكَ إِلَى الْبَغْضَاءِ وَالتَّشَاحُنِ وَالشِّقَاقِ ; لِأَنَّ الْأُمَّةَ الْإِسْلَامِيَّةَ مُتَّفِقَةٌ فِي الْأُصُوْلِ وَالْقَوَاعِدِ, وَقَدْ وُجِدَ الْخِلَافُ الْفِقْهِيُّ بَيْنَ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ اِبْتِدَاءً بِالْإِمَامِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ, وَالْإِمَامِ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللهُ, ثُمَّ الْإِمَامِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ, ثُمَّ الْإِمَامِ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ رَحِمَهُ اللهُ, وَلَمْ يَحْدُثْ بَيْنَهُمْ - رَغْمَ ذٰلِكَ - شَيْءٌ مِّنَ النَّفْرَةِ وَالْفِتْنَةِ, بَلْ كَانُوْا رَغْمَ اخْتِلَافِهِمْ فِي النَّظَرِ وَالْاِجْتِهَادِ إِخْوَةً مُّتَحَابِّيْنَ يُثْنِيْ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ عَلَى الْآخَرِ وَيُقَدِّمُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ وَهٰذَا هُوَ الَّذِيْ يَجِبُ أَنْ يُّسَوَّدَ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ وَإِنِ اخْتَلَفَتْ آرَاؤُهُمْ فِيْ مَسَائِلِ الْفُرُوْعِ. مجموع فتاوی ابن باز (۱۴۹/۵)

ترجمہ: اور آپ سب بخوبی جانتے ہو (اللہ تعالیٰ آپ سب کی حفاظت فرمائے) کہ فروعی مسائل میں مذہبی اختلاف قدیم زمانے سے ہے، اور یہ اختلاف کبھی بھی بغض، عناد اور لڑائی جھگڑے کا سبب نہیں بنا، اس لیے کہ پوری امتِ اسلامیہ اصول وقواعد میں متفق ہے، اور ائمہ اربعہ کے درمیان فقہی

اختلاف پہلے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ میں ہوا، پھر امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ، پھر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ساتھ، لیکن اس کے باوجود کبھی بھی کسی قسم کی نفرت اور فتنہ واقع نہیں ہوا، بلکہ اجتہاد و استنباط میں اختلاف کے باوجود وہ سب بھائی، آپس میں شدید محبت، ایک دوسرے کی تعریف اور دوسرے کو اپنے سے مقدم رکھتے تھے، اور یہی چیز ضروری ہے کہ علماء کے درمیان پائی جائے اگرچہ فروعی مسائل میں اختلاف رائے ہی کیوں نہ ہو۔

اور نفسانی خواہش کی بناء اپنی مرضی کے اقوال پر عمل کرنے کی علماء کرام نے سخت مذمت بیان کی ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد: امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک بھی شخص جب خود طالبِ شفعہ ہو تو پڑوسی کے لیے حقِ شفعہ کا اعتقاد رکھے اور اگر خود مشتری ہو تو اس کے ثابت نہ ہونے کا معتقد بن جائے تو یہ بالاجماع ناجائز ہے اور اسی طرح وہ شخص جو بحالتِ قیام نکاح فاسق کی ولایت درست ہونے کا قائل ہو اور اس کی بناء پر نکاح کا فائدہ اٹھاتا رہے مگر جب تین طلاقیں دیدے تو حرمتِ مغلظہ سے بچنے کے لیے فاسق کی ولایت کو کالعدم اور اس کے ماتحت منعقد شدہ نکاح کو فاسد قرار دیدے تو یہ باجماعِ مسلمین ناجائز ہے اور اگر کوئی مستفتی یہ کہے کہ پہلے مجھے اس مذہب کی خبر نہیں تھی اور اب میں اس کا معتقد اور پابند ہوں تب بھی اس کا یہ قول قابلِ تسلیم نہیں کیونکہ یہ دین کو کھلونا بنانے کا دروازہ کھولنا ہے اور اس بات کا سبب بننا ہے کہ حرام وحلال کا مدار محض خواہشات ہو کر رہ جائے۔ (مجموع الفتاوی: ۱۰۱/ ۳۲)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس تقلیدِ شخصی کے لازم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس بات کی اجازت ہو کہ انسان جس فقہی مذہب کی چاہے پیروی کر لیا کرے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ لوگ ہر مذہب

سے آسانیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنی خواہشاتِ نفس کے مطابق ان پر عمل کیا کریں گے، حلال وحرام اور واجب وجائز کے احکام کا سارا اختیار خود لوگوں کو مل جائے گا اور بالآخر شرعی احکام کی پابندیاں بالکل کھل کر رہ جائیں گی، البتہ پہلے زمانہ میں تقلیدِ شخصی اس لیے ممکن نہ تھی کہ فقہی مذاہب مکمل طور سے مدون اور معروف ومشہور نہ تھے، لیکن اب جبکہ مذاہبِ فقہیہ مدون اور مشہور ہو چکے ہیں؛ ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ کوشش کر کے کوئی ایک مذہب چن لے اور پھر معین طور سے اس کی تقلید کرے۔ (المجموع شرح المھذب، المقدمہ، فصل فی آداب المستفتی: ۱/ ۵۵)

علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام شہروں میں تقلید اِن ائمہ اربعہ میں محصور ہو گئی ہے دوسرے ائمہ کے مقلدین ختم ہو گئے ہیں اور لوگوں نے ان ائمہ سے اختلاط کا دروازہ بند کر دیا ہے، جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ علوم کی اصطلاحات پیچیدہ ہو کر پھیل گئی تھیں اور اس کی وجہ سے اجتہاد کے مرتبے تک پہنچنا سخت مشکل ہو گیا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ اجتہاد نااہلوں کے قبضہ میں نہ چلا جائے اور ایسے لوگ اسے استعمال نہ کرنے لگیں جن کی رائے اور دین پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا لہٰذا علماء نے اجتہاد سے عجز کا اعلان کر دیا اور لوگوں کو ان ائمہ اربعہ کی تقلید شخصی کی طرف لوٹا دیا اور اس بات کو ممنوع کر دیا کہ ان ائمہ کی بدل بدل کر تقلید کی جائے کیونکہ یہ طریقہ دین کے کھلونا بن جانے کا سبب ہے۔ (مقدمۃ ابن خلدون الکتاب الاول: ۴۳۰)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: حضرت شاہ ولی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یاد رکھئے کہ پہلی اور دوسری صدی میں تمام لوگ کسی ایک معین مذہب کی تقلید پر مجتمع نہیں تھے اور دوسری صدی کے بعد ان میں ایک مجتہد کو معین کر کے اسی کے مذہب پر عمل کرنے کا رواج ہوا یہاں تک کہ اس

وقت ایسے لوگ بہت کم ہوں گے جو کسی ایک معین مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں اور اس زمانے میں یہی چیز واجب تھی۔

ایک اور مقام پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بلا شبہ یہ چار مذاہب جو مدوّن ہو کر تحریری شکل میں موجود ہیں ان کی تقلید کے جائز ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے اور اس میں جو مصلحتیں ہیں وہ پوشیدہ نہیں بالخصوص اس زمانہ میں جبکہ ہمتیں پست ہو چکی ہیں، خواہش پرستی لوگوں کی گھٹی میں پڑ گئی ہے اور ہر ایک صاحبِ رائے اپنی ہی رائے کے صحیح ہونے کا دعویدار ہے۔
(الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف: صفحہ ۶۸۔۷۰)

خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء مجتہدین تو عالم میں بہت سے گزرے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی مشیئت سے ان کے مذاہب فقہیہ اس طرح مدوّن شکل میں محفوظ نہیں ہیں جس طرح ائمہ اربعہ کے مذاہب مدوّن اور مرتّب ہیں۔

اور اسی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ غیر مجتہد پر لازم ہے کہ وہ ان مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرے اور ان کے سوا کسی اور مذہب کی تقلید اس کے لیے جائز نہیں۔

علاّمہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صحابہ کرام اور قرونِ اولیٰ کے اکابر اگرچہ درجہ کے اعتبار سے بعد کے فقہائے مجتہدین سے بلند و برتر ہیں لیکن انہیں اتنا موقع نہیں ملا کہ وہ اپنے علم اور اصول وفروع کو مدوّن اور منضبط کر سکتے، اس لیے کسی شخص کے لیے ان کے فقہی مذاہب کی تقلید جائز نہیں، کیونکہ ان میں سے کسی کا مذہب مدوّن نہیں ہو سکا نہ وہ لکھی ہوئی شکل میں موجود ہے اور نہ معین طور سے اس کی نشاندہی کی جا سکتی ہے، دراصل تدوینِ فقہ کا یہ کام بعد کے ائمہ نے کیا ہے جو خود صحابہ و تابعین کے مذاہب کے خوشہ چیں تھے اور جنہوں نے واقعات کے پیش آنے سے پہلے ہی ان کے احکام

مدون کیے اور اپنے مذاہب کے اصول وفروع کو واضح کیا مثلاً امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔ (المجموع شرح المہذب:۱/۵۵)

حافظ ذھبی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد: علامہ مناوی حافظ ذھبی سے نقل کرتے ہیں: ہم پر یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ ائمہ اربعہ، دونوں سفیان، امام اوزاعی، داؤد ظاہری، اسحق بن راہویہ اور تمام ائمہ رحمۃ اللہ علیہم ہدایت پر ہیں اور جو شخص خود مجتہد نہ ہو اس پر واجب ہے کہ کسی معین مذہب کی تقلید کرے۔ (فیض القدیر للمناوی:۱/۲۱۰)

کن مسائل میں تقلید لازم ہے؟

تقلید صرف ان مسائل واحکام میں کی جاتی ہے جن کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی واضح حکم موجود نہیں ہوتا، یا قرآن وسنت کا مطلب سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے یا ان کے ایک سے زائد معنی ہوتے ہیں، یا ان کے معنی میں کوئی اجمال یا ابہام ہوتا ہے، یا قرآن وسنت یا اس سے نچلے درجے کے دلائل میں تعارض ہوتا ہے، چنانچہ قرآن وسنت کے وہ احکام ومسائل جو قطعی ہیں یا ان کا حکم واضح ہے کہ ان میں کسی قسم کا کوئی اجمال وابہام یا تعارض وغیرہ نہیں، ان مسائل میں کسی امام ومجتہد کی کوئی تقلید نہیں ہوتی مثلاً نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ کی فرضیت اور زنا، چوری، ڈاکہ، قتل اور شراب نوشی وغیرہ کی حرمت میں کسی امام کی تقلید نہیں کی جاتی، ایسے احکامات کے بارے میں براہِ راست قرآن وسنت پر عمل کیا جاتا ہے کیونکہ یہ قرآن وسنت کے واضح احکامات ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ط وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ط (النساء:۸۳)

ترجمہ: اور جب ان کے پاس کوئی بھی خبر پہنچتی ہے، خواہ وہ امن کی ہو یا خوف پیدا کرنے والی تو وہ لوگ اس کو (بغیر تحقیق کے) پھیلانا شروع کردیتے ہیں، اور اگر وہ اس کو پیغمبر یا اپنے ذمہ داروں کے طرف لیکر جاتے تو کھوج لگانے والے اس کی تحقیق کر لیتے۔

وَأَمَّا الْأَحْكَامُ الشَّرْعِيَّةُ، فَضَرْبَانِ: أَحَدُهُمَا: يُعْلَمُ ضَرُورَةً مِّنْ دِيْنِ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ، وَالزَّكٰوةِ، وَصَوْمِ شَهْرِ رَمَضَانَ، وَالْحَجِّ، وَتَحْرِيْمِ الزِّنَا وَشُرْبِ الْخَمْرِ، وَمَا أَشْبَهَ ذٰلِكَ. فَهٰذَا لَا يَجُوْزُ التَّقْلِيْدُ فِيْهِ، لِأَنَّ النَّاسَ كُلَّهُمْ يَشْتَرِكُوْنَ فِيْ إِدْرَاكِهِ، وَالْعِلْمِ بِهِ، فَلَا مَعْنٰى لِلتَّقْلِيْدِ فِيْهِ وَضَرْبٌ آخَرُ: لَايُعْلَمُ إِلَّا بِالنَّظَرِ وَالِاسْتِدْلَالِ: كَفُرُوْعِ الْعِبَادَاتِ، وَالْمُعَامَلَاتِ، وَالْفُرُوْجِ، وَالْمُنَاكَحَاتِ، وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِنَ الْأَحْكَامِ. فَهٰذَا يَسُوْغُ فِيْهِ التَّقْلِيْدُ، بِدَلِيْلِ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: فَسْئَلُوْٓا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (الفقیہ والمتفقہ)

ترجمہ: احکام شرعیہ کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم وہ احکام ہیں کہ جن کا رسول اللہ ﷺ کے دین سے ہونا قطعی اور بدیہی طور پر معلوم ہوجائے، جیسا کہ پانچوں نمازیں، زکوۃ، ماہِ رمضان کے روزے، حج، زنا و شراب کی حرمت وغیرہ۔ پس ان احکامات میں تقلید جائز نہیں، اس لیے کہ تمام لوگ ان احکامات کے علم و ادراک میں شریک ہیں، لہٰذا ان میں تقلید کا کوئی مطلب نہیں۔ اور دوسری قسم وہ احکامات جو صرف غور وفکر اور دلیل سے سمجھے جاتے ہیں، جیسے عبادات، معاملات، اور نکاح وغیرہ کے فروعی مسائل، پس ان احکامات میں

تقلید کی گنجائش ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" کی بنیاد پر۔ (الفقیہ والمتفقہ)

تقلید کا مقصد:

تقلید صرف اس غرض کے لیے کی جاتی ہے کہ قرآن وسنت سے جو مختلف المعانی احکام ثابت ہورہے ہیں، ان میں سے کوئی ایک معنٰی متعین کرنے کے لیے اپنی ذاتی رائے استعمال کرنے کی بجائے سلف میں سے کسی صالح مجتہد کی رائے اور فہم پر اعتماد کیا جائے۔ظاہر ہے یہ دوسری صورت انتہائی محتاط اور صواب ہے کیونکہ ائمہ مجتہدین متقدمین کے پاس جو علم وفہم،تقویٰ وللّٰہیت ،حافظہ وذکاوت،دین ودیانت اور قربِ عہد رسالت جیسے اوصاف تھے،بعد کے لوگوں میں اور بالخصوص آج کے لوگوں میں ویسے اوصاف نہیں ہیں، چنانچہ جو اعتماد ائمہ مجتہدین پر کیا جا سکتا ہے،بعد کے لوگوں پر نہیں کیا جاسکتا،اور نہ ہی آدمی اپنے اوپر ویسا اعتماد کرسکتا ہے۔

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷﴾

(النحل:۴۳)

ترجمہ:اور اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لیا کرو۔

أَنَّ مِنَ النَّاسِ مَنْ جَوَّزَ التَّقْلِيْدَ لِلْمُجْتَهِدِ لِهٰذِهِ الْآيَةِ فَقَالَ: لَمَّا لَمْ يَكُنْ أَحَدُ الْمُجْتَهِدِيْنَ عَالِماً وَجَبَ عَلَيْهِ الرُّجُوْعُ إِلَى الْمُجْتَهِدِ الْعَالِمِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: "فَسْئَلُوْا الآية" فَإِنْ لَّمْ يَجِبْ فَلَا أَقَلَّ مِنَ الْجَوَازِ (روح المعانی)

ترجمہ: بیشک بعض حضرات نے اس آیت کریمہ کی وجہ سے مجتہد کے لیے

تقلید کو جائز قرار دیا ہے، اور کہا ہے: جب کوئی مجتہد نہ جانتا ہو تو اس پر اہل علم مجتہد کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔

تقلید کی حقیقت:

(۱) تقلید سے قرآن وسنت ہی کی پیروی اور اتباع مقصود ہوتی ہے۔ تقلید میں مجتہد کی حیثیت صرف شارح کی ہوتی ہے کہ مقلد اس کی تشریح وتعبیر پر اعتماد کرتا ہے نہ کہ مجتہد کو بذاتِ خود واجب الاطاعت سمجھ کر اطاعت کرتا ہے، کیونکہ واجب الاطاعت ذات صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی اس لیے واجب ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے قول وفعل سے احکامِ الٰہی کی ترجمانی فرمائی ہے۔

۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ (النساء:۵۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحب اختیار ہوں ان کی بھی۔

(۲) تقلید صرف مسائل شرعیہ فرعیہ میں ہوتی ہے، چنانچہ جو احکامِ شریعت تواتر و بداہت سے ثابت ہیں، ان میں تقلید نہیں ہوتی، دین کے بنیادی عقائد میں تقلید نہیں ہوتی، قرآن وسنت کی نصوص قطعی الدلالۃ غیر معارضہ میں بھی تقلید نہیں ہوتی وغیرہ وغیرہ۔

(۳) ائمہ مجتہدین کو شارع، معصوم اور انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح خطاؤں سے پاک سمجھنا قطعی طور پر غلط ہے۔ وہ شارع، معصوم اور خطاؤں سے پاک نہیں ہیں، ان کے ہر اجتہاد میں احتمالِ خطاء موجود ہے لیکن انہیں خطاء پر بھی اجر ملتا ہے اور وہ اجرِ اجتہاد ہے۔ خطاء نہ ہو تو دو اجر ملتے ہیں، ایک اجرِ اجتہاد،

دوسرا اجرِ صواب۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- قَالَ » إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ.وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ «.(صحیح مسلم)

ترجمہ: حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: جب حاکم فیصلہ کرنے لگے اور اجتہاد کرے پھر اس کا اجتہاد درستگی کو پہنچ جائے تو اس کے لیے دو اجر ہیں، اور جب حاکم فیصلہ کرنے کے لیے اجتہاد کرے اور خطا کر جائے تو بھی اس کے لیے ایک اجر ہے۔

(۴) مجتہد کے لیے کسی کی تقلید جائز نہیں، اس پر واجب ہے کہ اپنے اجتہاد پر عمل کرے۔

جیسا کہ فتاویٰ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ میں ہے:

مَنْعُ الْاَئِمَّةِ عَنِ التَّقْلِيْدِ اِنَّمَا هُوَ فِيْ حَقِّ الْقَادِرِ عَلٰى اَخْذِ الْاَحْكَامِ عَنِ الْاَدِلَّةِ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲/۲۰۲۰)

ترجمہ: ائمہ کرام کا تقلید سے منع کرنا صرف اس آدمی کے حق میں ہے جو دلائل سے احکام کا استنباط کر سکے۔

(۵) عوام کے لیے تقلید ضروری اور واجب ہے، کیونکہ ان میں اتنی استعداد وصلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ براہِ راست قرآن وسنت کو سمجھ سکیں، متعارض دلائل میں تطبیق یا ترجیح کا فیصلہ کر سکیں، لہٰذا ان پر لازم ہے کہ کسی مجتہد کا دامن پکڑیں اور اس کے بیان کردہ مسائل واحکام پر عمل کریں۔

اِنَّ الْعَامِیَ یَجِبُ عَلَیْہِ تَقْلِیْدُ الْعُلَمَاءِ فِی الْاَحْکَامِ الْحَوَادِثِ

(تفسیر کبیر)

ترجمہ: بیشک عام آدمی پر پیش آنے والے احکامات میں علماء کی تقلید کرنا واجب ہے۔

اجتہاد کا مطلب:

(۱) اجتہاد اس خاص قوت استنباط کا نام ہے جس کے ذریعہ آدمی قرآن وحدیث کے خفیہ ودقیق احکام ومعانی اور اسرار وعلل کو انشراحِ صدر کے ساتھ حاصل کرلیتا ہے کہ عام لوگوں کی یہاں تک رسائی ممکن نہیں ہوتی۔

❁ وَاِذَا جَآءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِہٖ ط وَلَوْ رَدُّوْہُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَہُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَہٗ مِنْھُمْ ط (النساء: ۸۳)

ترجمہ: اور جب ان کے پاس کوئی بھی خبر پہنچتی ہے، خواہ وہ امن کی ہو یا خوف پیدا کرنے والی تو وہ لوگ اس کو (بغیر تحقیق کے) پھیلانا شروع کردیتے ہیں، اور اگر وہ اس کو پیغمبر یا اپنے ذمہ داروں کے طرف لیکر جاتے تو کھوج لگانے والے اس کی تحقیق کرلیتے۔

وَفِیْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ دَلَالَۃٌ عَلٰی وُجُوْبِ الْقَوْلِ بِالْقِیَاسِ وَاجْتِھَادِ الرَّأْیِ فِی الْاَحْکَامِ الْحَوَادِثِ (احکام القرآن)

ترجمہ: اور اس آیت مبارکہ میں دلالت ہے قیاس کے قائل ہونے اور جدید احکامات میں اجتہاد کرنے کے وجوب پر۔

(۲) امور قطعیہ واجماعیہ میں اجتہاد نہیں ہوتا، اور ایک مجتہد کا اجتہاد

دوسرے مجتہد پر حجت نہیں ہوتا۔

مَنْعُ الْاَئِمَّۃِ عَنِ التَّقْلِیْدِ اِنَّمَا ھُوَ فِیْ حَقِّ الْقَادِرِ عَلٰی اَخْذِ الْاَحْکَامِ عَنِ الْاَدِلَّۃِ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲/ ۲۰۲)

ترجمہ: ائمہ کرام کا تقلید سے منع کرنا صرف اس آدمی کے حق میں ہے جو دلائل سے احکام کا استنباط کرسکے۔

(۳) اجتہاد کا دروازہ بند نہیں، نئے پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد ہوسکتا ہے۔اجتہاد کے لیے اہلِ اجتہاد ہونا اوران تمام شرائط کا پایا جانا جوایک مجتہد کے لیےضروری ہیں ؛شرط ہے۔مزید برآں اجتہاد میں انفرادیت کی بجائے اجتماعیت کی راہ اختیار کرنی چاہیے،یعنی تمام اہلِ اجتہادمل کر نئے پیش آمدہ مسائل کاحل نکالیں۔

(۴) آج کل اجتہاد کے نام پراباحیت (یعنی ہر چیز کوجائز قرار دینے کی بلا دلیل کوشش)اورتحریفِ دین کو عام کیا جارہا ہے۔اس قسم کی اباحیت قطعاً ناجائز ہےاوراسے ہرگز ہرگز اجتہاد کا نام نہیں دیا جاسکتا۔

شیخ العرب والعجم عارف باللہ

مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فہرست مواعظِ اختر

۱) شادی بیاہ کی رسومات کی اصلاح
۲) دینی خدام اور عام آدمی کے غموں کی تسلی
۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم القدر دعا
۴) تمنائے بستی صالحین اور دینی شان وشوکت
۵) مجاہدہ اور تسہیل الطریق
۶) گنہگاروں کے لیے مژدۂ جاں فزاء
۷) اولیاء اللہ کی حسین زندگی
۸) ترکِ گناہ کے لذیذ طریقے
۹) اللہ والوں کے قلوب کی خوشیوں کا راز
۱۰) وطنِ آخرت کی تیاری
۱۱) ایمان پر خاتمہ کے سات انمول نسخے
۱۲) امراضِ روحانی کے معالجات
۱۳) راہِ سنت اور قلبِ سلیم
۱۴) مشیتِ الٰہی اور تزکیۂ نفس کا ربط
۱۵) کیفِ آہ وفغاں
۱۶) گمراہی کے اندھیرے اور سنت کا نور
۱۷) لذتِ دردِ محبت
۱۸) لذتِ بندگی کا حصول
۱۹) تاثیرِ صحبتِ اہل اللہ
۲۰) مردانِ راہِ خدا
۲۱) نزولِ تجلیات
۲۲) اہل اللہ سے تعلق کی قدر وقیمت
۲۳) اللہ تعالیٰ کے نام کی مٹھاس
۲۴) نالہائے درد
۲۵) اہلِ وفا کون ہیں؟
۲۶) اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندے
۲۷) سکونِ قلب کا واحد طریقہ
۲۸) دنیا سے بے رغبتی
۲۹) عشقِ مجازی کا اضطراب اور اس کا علاج
۳۰) نشۂ معصیت کا فریب
۳۱) عاشقانِ حق کا لذیذ غم
۳۲) سامانِ مغفرت
۳۳) صراطِ مستقیم پر استقامت کے انعامات
۳۴) حصولِ ولایت کے اسباب
۳۵) درسِ محبتِ الٰہیہ
۳۶) پردہ.....عورت کی عزت کا ضامن
۳۷) گلدستۂ ارشادات
۳۸) فیضانِ صحبتِ اہل اللہ
۳۹) قلبِ شکستہ کی تعمیر
۴۰) انجامِ عشقِ مجازی
۴۱) غمِ راہِ مولیٰ کی عظمت
۴۲) اللہ تعالیٰ کی شانِ جذب
۴۳) صاحبِ نسبت علماء کی خوشبو
۴۴) اہلِ علم اور تزکیۂ نفس کی اہمیت
۴۵) مقامِ دردِ دل
۴۶) راہِ خدا میں ادب کی اہمیت
۴۷) غار میں یادِ یار تعالیٰ شانہٗ
۴۸) عباداتِ شبِ براءت
۴۹) دھوکے کا گھر
۵۰) راہِ سلوک میں ذکر اللہ کی اہمیت
۵۱) طوفانِ گمراہی سے بچنے کا راستہ
۵۲) حق تعالیٰ کے محبوب بندے
۵۳) قلب کیسے روشن ہوگا؟
۵۴) انسان کا مقصدِ زندگی
۵۵) روزہ اور ترکِ معصیت
۵۶) شعاعِ آفتابِ رحمت
۵۷) غفلتِ دل کیسے دور ہو؟
۵۸) اولاد کو دین نہ سکھانے کا وبال
۵۹) عزتِ تقویٰ اور رسوائی گناہ
۶۰) رنگ ونسل کی تحقیر کی حرمت
۶۱) حصولِ ولایت کا راستہ
۶۲) مولائے کریم کا عفو وکرم
۶۳) مایوس نہ ہوں اہلِ زمیں اپنی خطا سے
۶۴) کیفِ عشقِ الٰہی
۶۵) اہل اللہ سے بدگمانی کا وبال
۶۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی شان
۶۷) پاکیزہ حیات کا نسخۂ کیمیا
۶۸) نادم گنہگار کی محبوبیت
۶۹) تصوف وسلوک میں راہِ اعتدال
۷۰) گناہ کی دو علامات بزبان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم
۷۱) محبتِ الٰہیہ کا موتی کون پاتا ہے؟
۷۲) گناہوں سے بچنے کا حوصلہ کیسے پیدا ہوتا ہے؟
۷۳) نفس کو مغلوب کرنے کا طریقہ
۷۴) رحمتِ رب العالمین
۷۵) ریا کی حقیقت اور اس کا علاج
۷۶) علمِ دین کی برکت اور فضیلت
۷۷) راہِ سلوک کی منزلیں اور ادب کا مقام
۷۸) حصولِ تقویٰ کے اصول اور حاملین سایۂ عرش
۷۹) دین میں حُسنِ اخلاق کی اہمیت
۸۰) عظیم الشان منزل کا عظیم الشان رہبر
۸۱) تخلیقِ انسانی اور دلیلِ قیامت
۸۲) دُعا
۸۳) عیدین اور حیاتِ تقویٰ کا حصول

حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب دامت برکاتہم کی دیگر کتب

